امرتا پریتم



جیب کترے

جیب کترے

جیب کترے

○

امرتا پریتم

○

مکتبۂ شعر و اَدب۔ سمن آباد۔ لاہور

ناشر ۔ ۔ ۔ نواز
پرنٹرز ۔ ۔ ۔ معظم پرنٹرز
قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ دس روپے

نوراج اور اس کے ہم عمروں کے نام!

"کچھ سپنے سب کے پاس تھے،

اب بھی ہیں،

مگر اب وہ جنگل کے جانوروں کی طرح ہو گئے ہیں —

بڑے معصوم گلہریوں اور کنگاروں کی طرح بھی؛

اور بڑے زہریلے

جنگل کے سانپوں کی طرح بھی......

اور ہم — اس جنگل کے باسی،

بھوک لگے تو

اپنے ہی گلہریوں اور کنگاروں کی طرح کے سپنوں کو

بھون کر کھاتے ہیں

اور پھر ہم خود ہی اندھیرے سویرے

ان سپنوں کے ہاتھوں ڈسے جاتے ہیں...."

— اس ناول کا ایک کردار



کتا بیٹھتا نہیں تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ مجھے چائے کا پیالہ بیچ میں ہی چھوڑ کر میز سے اُٹھنا پڑے گا۔

کتا بیٹھتا نہیں تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب اور نہیں پڑھ سکوں گا۔
اس کتاب کو اسی طرح کرسی پر رکھ کر، مجھے کمرے ہی سے باہر جانا پڑے گا۔

کتا بیٹھتا نہیں تھا۔

معلوم تھا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی مگر دوبارہ نیند نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے محسوس ہوا کہ بستر پر سے اُٹھنا پڑے گا

کتا بیٹھتا نہیں تھا۔

مجھے معلوم تھا ہوسٹل میں اب سیٹ نہیں مل رہی، باہر کمرہ لے کر رہنا بہت مہنگا پڑے گا، مگر محسوس ہوا فوجی چاچا کے گھر رہنے سے کچھ بہتر تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سِٹ ڈاؤن ۔ ۔ ۔ ۔ سِٹ ڈاؤن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے فوجی چاچا جی اپنے کُتے کو ایک دن میں ایک ہزار دفعہ یہ کہتے تھے، مگر کُتا بیٹھتا نہیں تھا۔

"سِٹ ڈاؤن" یہ ایک لفظ نہیں تھا، برف والے پانی کی ایک بوند تھی، جو چھ ماہ سے ٹپ ٹپ میرے سر پر پڑ رہی تھی، اور میرا سر سُن ہوا جا رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اُس دن کالج چھٹی تھی، مگر میرا کمرے میں بیٹھنا، بیچ بیچ کُتے کے بیٹھنے سے تعلق رکھتا تھا، چاچا جی صبح ہی سے اپنا سبق پڑھ رہے تھے، مگر کُتے کی ذات ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چاچا جی کے سبق کا کوئی لفظ نہیں سُن رہا تھا۔

"یہ کیس بہرہ ہے، چاچا جی! اس کو کسی ہسپتال میں دکھائیں" کہنے لگا تھا مگر نہیں کہا۔

خاموشی کے ساتھ گھر سے باہر چلا گیا۔ صرف سوچ رہا تھا کہ چاچا جی کی تبدیلی اس شہر نہ ہوتی۔ اچھا بھلا تین برس سے ہوسٹل میں رہ رہا تھا، چاچا جی کی تبدیلی ہو گئی، اُن کو مفت سرکاری کوٹھی مل گئی، تو اُن کو بھتیجے پر پیار آ گیا کہ لڑکا ہوسٹل کی جلی ہوئی روٹیاں کیوں کھائے۔ چاہے گھر میں پراٹھے پکانے کے لیئے کوئی چاچی نہیں تھی، مگر چاچا جی نے مفت کے ملے ہوئے اردلی سے پورا فائدہ اُٹھانا تھا۔ اُس کے روٹی پکانے کا کیا فائدہ، اگر میں ہوسٹل میں پیسے دے کر روٹی کھاتا رہا۔ اُنہوں نے میرے باپ کو خط لکھا، اور مجھ سے ہوسٹل چھڑوا

کر یہاں لے آئے....

میرے کانوں کے قریب زور سے ہارن بجا، ایک گاڑی کھڑی ہو گئی، اور ڈوبی نے گاڑی کا شیشہ کھول کر میرے کندھے کی طرف ہاتھ بڑھایا

"چلو بیٹھ جاؤ گاڑی میں، کالج جا رہے ہو؟"

"نہیں کالج میں چھٹی ہے۔"

"کس بات کی چھٹی؟"

"تینتیس کروڑ دیوتے ہیں، اُن میں سے کسی کا جنم دن ہو گا...."

ڈوبی میرے غصّے کو بھانپ گیا، اور مجھے بازو سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھا لیا۔ پچھلے سال تک وہ میرے ساتھ پڑھتا تھا، مگر اُس کے باپ کو پانچ سال کالج کے، پچاس ہزار روپے گم ہونے کی طرح لگے تھے، وہ ایک بہت بڑا ادیب تھا، اُس نے دلیل دی تھی کہ مُلک میں پہلے ہی پچیس ہزار انجینئر بے کار پھر رہے ہیں، بے کاروں کی اور تعداد بڑھانے کا کیا فائدہ۔ اس لیئے ڈوبی نے کالج چھوڑ دیا تھا، اور اپنے ٹھیکوں کے کام میں شامل ہو گیا تھا۔

"یو آر لکی.... " ڈوبی نے گاڑی چلاتے ہوئے کہا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُس نے مجھے گالی دی ہو، میں نے گھور کر اُس کی طرف دیکھا۔

"یہ کالج کی زندگی دوبارہ ساری عمر نہیں آ سکتی..... آئی مس مائی ہوسٹل لائف....."

"آئی آل سو مس.... " میرے مُنہ سے نکلا۔

"تم ہوسٹل میں نہیں رہتے؟" ڈوبی نے مجھ سے پوچھا۔

"میں نے اُس کو چاچاجی کی تبدیلی کی بات بتائی۔ کہنے والی بات چھپا لی۔ صرف یہ کہا "اگر کبھی دوبارہ مجھے ہوسٹل میں سیٹ مل جائے۔"

"مڈٹرم میں نہیں مل سکتی، مگر نئی ٹرم سے وقت مل جائے گی۔"

"نئی ٹرم میں ابھی کئی ماہ باقی ہیں۔"

رُوبی کی یہی بات مجھے سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے کہ وہ جتنی بات سمجھ سکے سمجھ لیتا ہے، باقی پوچھ لیتا ہے۔

"باہر کوئی کمرہ کرایہ پر کیوں نہیں لے لیتے، نئی ٹرم تک" اُس نے کہا۔ اُس نے اتنا سمجھ لیا تھا کہ میں چاچاجی کے پاس نہیں رہنا چاہتا تھا اور یہ اتنا کافی تھا۔

"اگر کوئی کمرہ مل جائے، مگر یہ زیادہ مہنگا نہ ہو۔"

رُوبی خاموش تھا۔ پتہ نہیں کیا سوچ رہا تھا۔ پھر اچانک کہنے لگا۔

"تمہیں بھوتوں سے ڈر تو نہیں لگتا؟"

مجھے نہیں معلوم، کہ اُس نے یہ کیوں پوچھا تھا، مگر مجھے ہنسی آگئی۔ مُنہ سے نکل گیا "اگر وہ خاموش رہیں، تو ڈر نہیں لگتا۔ صرف اُن کو یہ نہ کہنا پڑے کہ سٹ ڈاؤن....."

رُوبی ہنسنے لگا، پتہ نہیں کیوں، اور کہنے لگا" "وہ اتنے خاموش رہیں گے کہ تمہیں اُن کی خاموشی سے ڈر لگے گا۔"

"بالکل نہیں" میں نے کہا، رُوبی نے بات کاٹی،

"اچھا پھر دیکھتے ہیں۔"

رُوبی نے گاڑی کو موڑا، اور پیچھے دُور جا کر ایک بڑی اُجاڑ حویلی کے آگے کھڑی کر دی۔

حویلی کا گیٹ کھلا تھا، کھُلا نہیں کہنا چاہیئے، گیٹ تھا ہی نہیں، نہ معلوم کب کا ٹوٹ چکا تھا۔ ایک طرف اُونچے درخت تھے، باقی کوئی ایک ہزار گز جگہ میں گھاس پھونس اُگا ہوا تھا۔ اینٹوں کی ایک پگڈنڈی گول چکر کاٹتی ہوئی آگے کو جاتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اس پگڈنڈی پر کوئی سو فٹ چلنے کے بعد حویلی کا برآمدہ تھا۔ برآمدے سے آگے بڑا ہال، اور اُس کے ارد گرد کوئی چھ سات کمرے۔ کمروں کو دروازے لگے ہوئے تھے، مگر کنڈے صرف ایک دو دروازوں سے باقی بچے ہوئے تھے۔ دو کمروں کے دروازوں کا صرف ایک ہی پٹ باقی بچا تھا، جو ہوا کے ساتھ خود ہی کھُل جاتا اور خود ہی بند ہو جاتا۔ ویسے ہال کا فرش تین انچ اونچی اٹالین ٹائیلوں کا تھا۔

دُوسری منزل پر بھی اتنے ہی کمرے ہیں، اور اُس کے اُوپر منگلوری ٹائیلوں سے فرش کی چھت۔ بولو! یہاں رہ کر ڈرو گے تو نہیں؟" رُوبی ہنسنے لگا۔

"مگر ما بدولت! یہ شہنشاہی ہے کس کی؟" مجھے بھی ہنسی آ گئی۔

"اگر تم یہاں آ کر رہو، تو ساری تمہاری۔"

"میری؟"

"صرف حضور کے دربار میں درباری نہیں ہوں گے، ایک سانپ بچھو شاید ہوں۔"

یہ شہنشاہی مجھے منظور تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ سو سال پُرانی حویلی رُوبی کے

باپ کی تھی۔ چھ مہینے کے بعد اس کو مرمت کرنا تھا۔ مگر یہ ابھی چھ ماہ تک اور اُجڑی رہنی تھی

"مجھے چھ ماہ کا شہنشاہ بننا منظور ہے....." میں ہنسنے لگا۔

دیکھا — رُوبی کچھ سوچ رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ وہ اپنے باپ سے اس کی اجازت لینے کے بارے میں سوچ رہا ہوگا، مگر اس نے باہر آ کر پھر گاڑی سٹارٹ کی، اور میرے کالج کے ہوسٹل کی طرف مڑتے ہوئے کہنے لگا "تم ونود اور اشوک کو تو جانتے ہو نا؟"

"دونوں آرٹس والے؟"

"ہاں! وہ بڑی دیر سے ہوسٹل سے باہر رہنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں، مجھے پہلے یہ خیال نہیں آیا۔ وہ دونوں بھی اگر تمہارے ساتھ رہنے لگیں....."

رُوبی کی سوچ ٹھیک تھی۔ یہ مجھے اتنا دن کو معلوم نہ ہوا جتنا رات کو۔ کیونکہ اس حویلی میں بجلی کوئی نہیں تھی، اور رات کو موم بتی کے ہلتے ہوئے سائے، نہ سونے دیتے تھے، اور نہ جاگنے دیتے تھے۔

بازار سے خریدنے والی صرف ایک ہی چیز تھی — ایک جھاڑو۔ (موم بتیوں کا خیال ہمیں بعد میں آیا) اُس وقت جب اشوک اور ونود کے ساتھ دوبارہ حویلی میں آئے، اشوک خوشی سے جھاڑو پھیر کر ہنس رہا تھا، اور رُوبی کو بار بار کہہ رہا تھا — وٹ اے بریلینٹ آئیڈیا.....

چاچاجی کا گھر ذرا دُور تھا، مگر ہوسٹل قریب تھا، سب سے پہلے اشوک اور ونود کا سامان لائے۔ اُنہوں نے اپنی مکمل اور نامکمل پینٹنگز ہال میں یوں سجائیں —

کہ ہال ایک آرٹ گیلری کی طرح معلوم ہونے لگا۔

میں جب اپنا بستر اور کتابیں لینے کے لیئے چاچاجی کے گھر گیا، میرے تینوں دوست میرے ساتھ تھے۔ چاچاجی کا کُتا اجنبی شکل کو بالکل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میرے دوستوں پر اُچھل اُچھل کر بھونک رہا تھا، اور میں چاچاجی سے کہہ رہا تھا "وہاں اپنے کالج فیلوز کے ساتھ مل کر میری پڑھائی اچھی ہوگی، اس لیئے چاچاجی۔۔۔۔۔"

چاچاجی شاید یہ بات سوچ رہے تھے کہ اُن کا بھائی کیا کہے گا۔۔۔ شہر میں چاچا کا گھر ہو، اور لڑکا باہر رہے۔۔۔ اور میں اُن کو جیسے تسلی دے رہا تھا کہ یہ میری پڑھائی کے لیئے ضروری ہے۔۔۔۔

کچھ شاید اس لیئے کہ میں کالج فیلوز والی بات جھوٹ کہہ رہا تھا، کیونکہ میں انجینئرنگ کا سٹوڈنٹ اور وہ دونوں آرٹس کے، اور اس لیئے میری آواز میں پورا زور نہیں تھا، اور یا اس لیئے کُتا بھونک رہا تھا، اور چاچاجی بیچ میں اُس کو ڈانٹ رہے تھے — شٹ اپ! اور اُن کو میری بات پوری طرح سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"اچھا! جس طرح تم ٹھیک سمجھتے ہو۔۔۔۔" چاچاجی نے کہا۔

میں نے بستر کو اکٹھا کیا۔ کتابیں سنبھالیں، اپنی گٹار اُٹھائی۔ میرے دوست میری چیزوں کو رُوبی کی گاڑی میں رکھ رہے تھے۔ کُتا ابھی بھی بھونک رہا تھا، اور چاچاجی اُس کو شٹ اپ۔۔۔ شٹ اپ۔۔۔ کہتے کہتے تھکے ہوئے لگ رہے تھے، کیونکہ پھر اُن کی بڑی ہاری ہوئی آواز آئی، وہ کُتے کو کہہ رہے تھے "پلیز! شٹ اپ۔"

ایک بار مجھے یوں محسوس ہُوا، جیسے وہ کُتے کو نہیں، مجھے، میرے جھوٹ

بولنے پر کہہ رہے ہوں ـــ پلیز شٹ اپ



ونود اور اشوک دونوں نے اپنے بستر ہال کمرے میں لگائے تھے۔ ایک نے ایک کونے میں، دوسرے نے دوسرے کونے میں۔ میں نے ساتھ والے چھوٹے کمرہ کو اپنا کمرہ بنایا۔

بہت رات گئے تک موم بتی جلتی رہی، مگر اس کو جلتی چھوڑ کر سویا نہیں جا سکتا تھا۔ آخر بجھا دی۔

معلوم تھا کہ دروازوں کی کنڈیاں نہیں، اس لیئے ہوا کی وجہ سے خود ہی کھل رہے تھے، اور خود ہی بند ہو رہے تھے۔ مگر دو تین دفعہ میں نے بجھی ہوئی موم بتی کو جلایا کچھ دیر تک جلتی رہنے دیتا پھر بجھا دیتا۔ ایک دفعہ محسوس ہوا — ماچس کی تیلیاں ختم ہو گئی تھیں صرف ایک باقی بچی تھی۔ اس لئے پھر دوبارہ موم بتی نہیں جلائی۔ بچی ہوئی تیلی کو "ایمرجنسی" کے لیئے رکھ لیا تھا۔

کل ایک بیٹری ضرور خریدوں گا، میں نے سوچا، اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے خیال آیا، کل جب رُوبی میرا حال پوچھنے آئے گا تو اُس کو کہوں گا "رات کو کچھ آوازیں اس طرح آ رہی تھیں، جیسے پچھلے جنم سے آ رہی ہوں ...."

اپنے فقرے پر مجھے خود ہی ہنسی آ گئی، پھر نہ معلوم کب نیند آ گئی۔

میں ایک چیخ کی آواز پر جاگ پڑا، پہلے آواز پہچانی نہ گئی، پھر ایک خیال سا آیا یہ اشوک کی آواز تھی۔ یہ چیخ دوسری دفعہ نہ آئی۔ یہ خیال بھی آیا کہ شاید یہ میرا سپنا تھا۔ مگر بستر میں سے اُٹھ کر، میں ہال کے دروازے میں اشوک اور ونود کو دیکھنے چل دیا۔

اشوک ہنس رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ میں جھاڑو پکڑا ہوا تھا۔ مگر وہ جھاڑو سے فرش صاف نہیں کر رہا تھا صرف اس کو پکڑ کر کھڑا تھا اور ہنس رہا تھا۔

"آئی ایم فلرٹنگ ود مائی فیئر" اشوک نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

یہ چیخ سچ مچ اشوک کی تھی، ونود نے بتایا۔ وہ رات کو دونوں مجھ سے پہلے سو گئے تھے، اس لیئے پہلے جاگ پڑے تھے۔ اشوک کے ذہن پر رات والی "ارث گیری" کی بات اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ صبح سویرے ہی جھاڑو پکڑ کر دیواریں صاف کرنے لگ پڑا تھا، کونے میں لگے ہوئے جالے کو ـــــ دیکھتا ہوا جب اُس نے دیوار کی کھلی کھڑکی کی طرف دیکھا تھا ـــــ سامنے ایک بھیانک شکل تھی۔ اور اشوک کی چیخ نکل گئی تھی۔

معلوم ہوا ـــــ پرانی اُجڑی ہوئی حویلی میں، رات کسی موم بتیوں کی روشنیوں نے موجودگی کا احساس دلا دیا تھا۔ اور ایک بوڑھی مریل سی عورت، صفائی کا کام صبح سویرے پوچھنے کے لیئے آ گئی تھی، اور کھڑکی سے اندر جھانکتی ہوئی کسی سے بات

کرنے کا سوچ رہی تھی....

یہ فرسٹریشن ختم نہیں ہوئی "نیئر"، ایک حالت کی طرح ہمارا اور اس حویلی کا حصہ ہو گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اچانک ہم میں سے کسی کے منہ سے نکل جاتا تھا —— کون ہے؟ محسوس ہوتا تھا ابھی کوئی اس اندرونی دروازے کے پیچھے تھا، ابھی الماری کے پیچھے چلا گیا ہے....

حویلی میں بجلی کے تاروں کی فٹنگ نہیں تھی، اس لئے بجلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اشوک نے ایک چستی کی تھی، مگر تین راتوں سے زیادہ وہ کام نہ آئی۔ اُس نے بیرونی سڑک کے کھمبے سے تار جوڑ کر، حویلی میں سیدھی بجلی لے آیا تھا، مگر چوتھے دن ہی کارپوریشن والوں نے وہ تار دیکھ لی تھی، اور کاٹ دی تھی کیونکہ یہ غیر قانونی تھی۔

چونکہ روشنی غیر قانونی تھی، ہم قانونی اندھیرے میں پھر فیئر سے فلرٹ کرنے تک بڑھے تھے۔

صرف فیئر کے ساتھ ہی نہیں، ہنگر کے ساتھ بھی۔ چائے کی دوکان بھی حویلی سے زیادہ نزدیک نہیں تھی۔ وقت بے وقت جب بھوک لگتی تھی، دوکان پر جانے کی بجائے وہیں کمرے میں بیٹھے رہنا آسان معلوم ہوتا، اور ایک کو یوں بیٹھے دیکھ کر دوسرے کے منہ سے ضرور نکل جاتا —— سو یو آر فلرٹنگ ود ہنگر....

حویلی کا غسل خانہ بہت بڑا تھا مگر ایک ہی۔ اور اس میں خاص نقص یہ تھا کہ اُس کی ٹونٹی دیوار کے بالکل ساتھ لگی ہوئی تھی، اور وہ بھی زمین سے زیادہ اونچی نہیں۔ اس کے نیچے بیٹھ کر نہایا نہیں جا سکتا تھا اور مگ میں پانی

پھر نہانے میں دیر لگتی تھی۔ پانی ویسے بھی سارا دن نہ رہتا۔ سوچا اگر ایک ٹب ہو تو پانی بھر کر جمع کر لیا جائے۔ مگر ٹب خریدنے کے لیے پیسے کسی کے پاس نہیں تھے۔

اس دفعہ وینی کو ایک ’بریلینٹ‘ آئیڈیا سوجھا (ونود کو ہم اب وینی کہہ کر بلانے لگے تھے) کہ ایک آرٹ فیکلٹیز کے سٹور میں ایک ٹب پڑا ہوا تھا، جس کو کبھی کوئی استعمال نہیں کرتا تھا۔ سٹور اصل میں ایک کباڑ خانہ تھا جس کو کوئی تالا نہیں لگا ہوتا تھا۔ ویسے رات کے وقت باہر ایک پہرے دار ضرور ہوتا۔ مگر وینی کا خیال تھا کہ اگر ہم پہرے دار کی آنکھ بچا کر، تینوں رات کو وہاں جائیں تو وہ ٹب اٹھا کر لے آ سکتے ہیں۔

’’لیٹ اَس فلرٹ اے لٹل بٹ وِد تھیفٹ۔۔۔۔‘‘ وینی نے کہا تھا، اور ایک رات ہم تینوں اس کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

اندھیرا۔۔۔۔ پہرے دار۔۔۔۔ خوف۔۔۔۔ اور ٹب کا بوجھ۔۔۔۔ ہم تینوں پسینے میں شرابور ہو گئے تھے، مگر ٹب ہمارے غسل خانے میں آ گیا تھا۔

’’واٹر۔۔۔۔ سویٹ واٹر۔۔۔۔‘‘ اشوک کا گیت ابھی اس کے حلق میں ہی تھا کہ ہمیں پتہ چل گیا — ٹب نے ہمارے ساتھ بے وفائی کی تھی۔

کمبخت ٹب ٹپکتا تھا۔

دوسرے دن ہم نے تارکول ٹب پر خوب ملی، وہ تمام کا تمام کالا ہو گیا، مگر اُس کے چھید بند نہ ہوئے۔ ہماری ساری سکیم فیل ہو گئی تھی۔ پھر وہی چھوٹا ساٹنگ، اور وہی آدھا خشک اور آدھا گیلا غسل۔ ایک غسل خانے میں ہوتا، دوسرا باہر سے آواز دیتا — سویٹ اُز فلرٹنگ وِد واٹر۔۔۔۔

کالج جانے سے پہلے چائے خانے بھی جانا ہوتا تھا، کئی دفعہ دوڑ کر بھی بھاگنا پڑتا تھا، کالج جانے والی سڑک پر اور کئی مل جاتے، ہم کو بے تحاشا دوڑتے دیکھ کر ہنس پڑتے، مگر ہم نے اپنی ایک ٹرم بنالی تھی، ہم جواب دیتے —— وی آر فلرٹنگ وِد ٹائم....

بات چیت کی یہ ٹرم ہمیں بہت راس آئی - اشوک دراصل ایک مشہور پینٹر کا لڑکا تھا، اس کے لیئے اس لائین میں کچھ نہ کچھ مستقبل بھی تھا باپ کی شہرت کی وجہ سے اس کو بنی بنائی زمین مل جاتی تھی، اس کا "ون مین شو" بھی آسانی سے آرینج ہو سکتا تھا، مگر وینی کو کسی طرف سے بھی کوئی سہارا نہیں تھا، اس میں ڈیپریشن کے فٹ آتے تھے۔ مگر بات چیت کی یہ ٹرم اُس کو بھی اچھے موڈ میں لے آتی تھی - وہ رنگ گھولتا، کینوس سامنے رکھتا، کینوس اچھی طرح پینٹ نہ ہوتا، تب بھی وہ کہہ سکتا —— آئی ایم فلرٹنگ وِد فیوچر....

اصل میں یہ صرف وینی کی ہی نہیں، ہم سب کی حالت تھی، ہم سب اپنے اپنے فیوچر کے ساتھ فلرٹ کر رہے تھے....

ملک میں پچیس ہزار بے کار انجنیئر —— یہ حقیقت میرے اور میرے مستقبل کے درمیان ایک کالی دیوار کی طرح کھڑی تھی - اور میں جیسے اس دیوار کے اوپر سے دوسری طرف اپنے مستقبل کی طرف جھانک رہا ہوں - ایسی دیوار توڑی نہیں جا سکتی... دیوار کے اوپر سے چھلانگ بھی نہیں لگائی جا سکتی....

پھر دُور دُور سے مستقبل کی طرف جھانکنا مگر ٹینشن نہیں تو اور کیا تھا۔۔۔

پچھلی دفعہ مجھے اپنے ایک پیپر سے متعلق کچھ شک تھا، اتنا علم تھا کہ اگر ایک پیپر اچھا نہ ہوا، تو میں پھر اکتوبر میں اس کا امتحان دے سکوں گا اور اگر اکتوبر میں بھی اس میں پاس نہ ہو سکا، تو اگلے مارچ میں، مگر پوری تسلی کے لیے میں نے ایک دن نلین سُودی کو پوچھا تھا۔ پتہ لگا کہ وہ پچھلے تین سالوں سے دو پیپروں کے لیے اس طرح کی جدوجہد کر رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر اس نے تفصیل سے بتایا ــــ بیٹا فکر نہ کر، ایک چانس اس اکتوبر میں، پھر اگلا چانس اگلے مارچ میں، پھر اگلا چانس اگلے اکتوبر میں، پھر اگلا چانس۔۔۔۔ اور پھر وہ زور سے ہنستا ہوا کہنے لگا، "اس سے آگے مشورہ لینا ہو، تو میرے سینئر سٹاف ممبر سے کنٹکٹ کر ــــ سُریدر، تاپن، اجے۔۔۔ پتہ لگا کہ ان تمام کو آٹھ آٹھ نو نو سال ہو گئے تھے، انجینئرنگ کا کورس ختم کرتے ہوئے۔ ان میں سے ایک کی اسی حالت میں شادی بھی ہو گئی تھی، اور بچہ بھی۔

یہ جوانی کے ضائع ہوتے ہوئے سال۔۔۔۔ ماں باپ کا پیسہ۔۔۔ پھر یہ خبر کہ ملک میں پچیس ہزار انجینئر بے کار۔۔۔ سچ سچ ہم سارے اپنے اپنے مستقبل کے ساتھ فلرٹ کر رہے تھے۔ صرف کوئی کم ڈیسپریٹلی اور کوئی بڑا ڈیسپریٹلی۔



اچانک ایک عجیب واقعہ رونما ہوا ــــ ایم ۔ اے نائٹل کی ایک لڑکی سویتا کا اپنے کلاس فیلو رنی کے ساتھ شادی ہو گئی ۔

شادی کی نہیں کروانی پڑی ۔

سویتا کی رنی کے ساتھ دوستی تھی ، مگر روایتی دوستی ۔ اس دوستی کی پتلی سی پگڈنڈی پر ، ایک دن اچانک شادی کی غار آجائے گی ، اور ان کو اس غار میں سہارا لینے کے علاوہ اور کوئی سہارا نہیں رہ جائے گا ، یہ ان کو معلوم نہ تھا ۔

اس واقعہ میں شادی کو ایک منزل کی بجائے غار ہی کہا جا سکتا تھا ....

غار سے باہر ایک طرف ایک گہری کھائی تھی ــــ کلاس میں سے دھکے کے ایکسپیل ہو جانے کی کھائی ، اور دوسری طرف ہاتھوں میں لاٹھیاں لے کر کھڑے

—— سیڈ شک گارڈینز آف آور کلچر ۔۔۔

اگر دونوں ایکپیل ہو جاتے، دونوں کا کیریئر ختم ہو جاتا۔ اتفاق یہ تھا کہ دونوں انگلش لٹریچر کے ذہین طالب علم تھے۔ اس لیئے کھائی میں چھلانگ نہیں لگائی جا سکتی تھی۔۔۔۔

دوسرا طریقہ یہی تھا —— کہ یونیورسٹی کے جو بھی اختیار والے لوگ تھے، اُن کو ریسچ اور منت سے منایا جاتا، مگر اس حادثے میں نہ ریسچ کسی کام آیا تھا، اور نہ کوئی منت نہ معافی۔ اسی لیئے اختیار رکھنے والوں کو ہم اپنے بند ہونٹوں میں یہ تو کہہ سکتے تھے —— سیڈ شک گارڈینز آف آور کلچر، مگر منہ کھول کر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔۔۔۔

اب صرف تیسرا اور آخری راستہ ایک ہی رہ گیا تھا —— کہ سویتا اور روی جلدی سے دوڑ کر شادی لفظ کے غار میں داخل ہو جائیں۔۔۔

ایک شام ہم کچھ لڑکے اور کچھ لڑکیاں ایک نہر کے کنارے پر گئے تھے، ہم سب کے پاس چار موٹر سائیکل تھے، مگر ہم تعداد میں دس تھے، ایک موٹر سائیکل پر دو دو بیٹھ سکتے تھے، مگر باقی دو کو بھی ساتھ لے جانے کے لیئے دو موٹر سائیکلوں پر تین تین بیٹھے۔ جاتی دفعہ بڑے ٹھیک پہنچ گئے تھے، مگر آتی دفعہ اندھیرا تھا ایک موٹر سائیکل جس پر تین سوار تھے، اور جن میں روی بھی تھا، اُلٹ گیا۔ لیگ گارڈ نے بڑا بچاؤ کر دیا تھا، مگر روی کو سر پر کچھ زیادہ چوٹ لگ گئی تھی باقی دو کے ہاتھوں پر معمولی سی خراشیں آئی تھیں۔ روی ہوسٹل میں نہیں رہتا تھا بلکہ باہر کمرہ لے کر رہتا تھا۔ اس لیئے ہم تمام روی کو روی کے کمرہ میں

چھوڑنے کے لیے چلے گئے۔ روی کے سر کو پٹی کی ضرورت نہیں تھی، مگر اُس کے سر میں درد بہت تھا ـــ شائد اندرونی چوٹ تھی۔ سویتا اس کی کلاس فیلو بھی تھی۔ اور ہم سب سے زیادہ اس کی دوست بھی تھی، وہ اس رات اپنے ہوسٹل میں واپس جانے کی بجائے روی کی دیکھ بھال کرنے کے لیئے روی کے کمرے میں ٹھہر گئی۔

ایمان کی بات تھی ـــ ہم سب کو کسی خطرے کا خیال تک نہ آیا۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ صبح جب سویتا اپنے ہوسٹل میں گئی، تو وارڈن کو اپنی رات کی غیر حاضری کی وجہ بتاتے وقت بھی اس کو جھوٹ بولنے کا خیال تک نہ آیا۔

وارڈن نے اس کی رپورٹ کر دی۔ اور رپورٹ کے جواب میں کہیں کوئی شنوائی نہیں تھی۔

"وہ بالکل غیر لڑکا تھا... وہ سویتا کا بھائی یا کزن ہوتا تو اور بات تھی۔ یا اس کا منگیتر ہوتا تب بھی اور بات تھی، مگر وہ بالکل غیر لڑکا تھا..." اس سوال کا کیا جواب ہو سکتا تھا....

وہ بھائی نہیں ہو سکتا تھا، اگر اس کو کچھ بنایا جا سکتا تھا، تو صرف منگیتر بنایا جا سکتا تھا۔ اور جب دونوں کے ایکسپیل ہونے کی نوبت آگئی، تو دونوں کو کہنا پڑا کہ وہ دونوں منگنی کر چکے ہیں، اور شادی کرنے والے ہیں۔

اگر صرف شادی والی بات کو، شادی کے اقرار تک ہی رکھا جا سکتا... نوبت اس حد تک آگئی تھی، کہ دونوں کے ماں باپ کو خط لکھ کر کالج والوں کی طرف سے اس بات کی تصدیق کی جا رہی تھی، اور یہ علم تھا کہ جب تصدیق

ہوگئی، تو یہ خبر غلط نکلے گی....

دونوں بالغ تھے، اس لیئے صرف یہی رستہ رہ گیا تھا، کہ وہ دونوں جلدی سے شادی کر لیں، اور جب تک ماں باپ اس خبر کو غلط کہیں، اس سے پہلے یہ خبر صحیح ہو چکی ہو....

اس کے علاوہ ہم سب کو کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ مگر پھر بھی گھبراہٹ اتنی تھی، کہ جلدی سے یہ بھی نہیں ہو رہا تھا...

کالج والوں کی طرف سے دونوں کے ماں باپ کو خط جا چکے تھے.....

اور پھر اچانک اس سے بھی عجیب حالت آگئی۔ سویتا کی ایک سہیلی نے دیکھا۔ کہ سویتا کے ماں باپ، بڑے گھبرائے ہوئے اپنے شہر سے چل کر ہمارے شہر ہماری یونیورسٹی میں، سویتا کو ملنے کے لیئے آگئے تھے۔ وہ بارڈنگ روم میں تھے کہ سویتا کی سہیلی نے دوڑ کر اندر سویتا کو خبر دی۔

سویتا کو علم تھا کہ وہ اپنے ماں کو کچھ بھی منا نہیں سکے گی، شاید وہ غصے میں اس کی پڑھائی ختم کروا کر اسی وقت اس کو گھر واپس لے جائیں۔ وہ کمبخت۔ کلاس میں اتنی ذہین تھی کہ یونیورسٹی میں ٹاپ کرنے کا سوچ رہی تھی۔ پڑھائی چھوڑنے کے خیال سے وہ تڑپ اٹھی۔ اس نے اپنی سہیلی کو، سامنے لڑکوں کے ہوسٹل میں ایک لڑکے کے پاس بھیجا کہ وہ بہت جلدی کسی طرح روی کو بلا لائے روی، اور ہم اس کے سارے دوست، کسی وقت بھی اچانک کوئی خطرہ آجانے کے خیال سے باخبر تھے۔ ہم سارے سامنے ہوسٹل میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اس حالت کا علم ہوا تو ہم میں سے ایک دوڑ کر ٹیکسی لے آیا۔ سویتا ہوسٹل

کی پچھلی سیڑھیاں اتر کر باہر آئی، اور ہم سب اس کو ٹیکسی میں بٹھا کر کسی مندر میں کسی پنڈت کو ڈھونڈنے کے لیئے چلے گیئے۔

پنڈت ڈھونڈ لیا، مگر اس نے ہماری حالت تاڑ لی تھی۔ دونوں بالغ معلوم ہوتے تھے، مگر پنڈت نے حالات تاڑ کر ہم سے ڈیڑھ سو روپے مانگے۔

عجیب فنی سیچوئیشن تھی۔ نہ روی کے پاس اس وقت اتنے پیسے تھے، نہ ہی سوتیا کے پاس۔ ہم سب نے اپنی اپنی جیبوں کو ٹٹولا، اور جو کچھ جس کی جیب میں تھا، وہ نکال کر ملا لیا۔ ڈیڑھ سو روپے اکٹھے ہو گئے تھے، مگر اب ہم سب پنڈت کے آگے ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ وہ جلدی کرے۔

پنڈت کو شاید ایسے لوگوں سے پہلے بھی واسطہ پڑتا رہا تھا، وہ اطمینان سے ساتھ مسکرا رہا تھا، اور ہون کی آگ جلا رہا تھا۔

"پنڈت جی مہاراج! ہاتھ جوڑتے ہیں، جلدی کریں" ہم نے یہی ہاتھ اپنے پروفیسروں کے آگے بھی جوڑے تھے مگر کسی کام نہ آئے۔ خیر اب پنڈت کے آگے جوڑے ہوئے ہاتھ کسی کام آ رہے تھے.....

پنڈت کو ہم جیسوں سے جو واسطہ پڑتا رہا تھا۔ اس نے اس کو عجیب سی انگریزی سکھا تھی۔ اس گھبراہٹ میں بھی ہم سب کو بے اختیار ہنسی آ گئی تھی، سوتیا کی ہم سب سے زیادہ، جب وقت پنڈت نے کہا' "ڈونٹ وری آئی ایم اے شاٹ کٹ پنڈت۔"

رسمیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ ہم سب نے اتنا کچھ عذر روایتی کر لیا تھا، ان ایک کے منہ سے جب نکلا' سوتیا نے سفید دھوتی پہنی ہوئی ہے، لال رنگ

کی چاہیئے تھی ؟ تو ہم سب کو سفید دھوتی کا وہم آ گیا۔ پورے لال رنگ کی تو نہیں، مگر سوتیا کی اس سہیلی نے لال کنارے والی سبز رنگ کی دھوتی پہنی ہوئی تھی۔ ہم نے سوتیا کو کہا کہ وہ اپنی سہیلی سے دھوتی بدل لے۔ سہیلی نے دھوتی بھی تبدیل کی، اور پرس میں سے لپ سٹک نکال کر، لپ سٹک کے رنگ سے ماتھے پر بندیا بھی لگا دی۔

ہم میں سے ایک سوتیا کا دھرم بھائی بنا۔ اور اس نے پنڈت کے کاغذوں پر بطور گواہ دستخط کیئے ۔۔۔ اور اس طرح ایک نے روی کی طرف سے گواہی کے دستخط کیئے۔ اور شکر ادا کیا جب پنڈت نے پندرہ بیس منٹ منتر پڑھنے کے بعد ان دونوں کاغذوں پر دستخط کیئے، اور ایک کاغذ ہمیں پکڑا دیا۔

شادی تو کامیابی سے ہو گئی۔ اب سوتیا کے ماں باپ سے نپٹنا تھا۔ روی کی ماں زندہ نہیں تھی، اور باپ نے نہ یونیورسٹی کے خط کا جواب دیا تھا، اور نہ ہی ابھی تک خود آیا تھا، اس لیئے ابھی تک اس کا فکر نہیں تھا۔ مگر سوتیا کے ماں باپ شہر میں پہنچ چکے تھے، اور ہم سوچ رہے تھے کہ اس وقت وہ سوتیا کو ہوسٹل میں نہ پا کر ڈھونڈ رہے ہوں گے۔

سوتیا کو ساتھ لے کر ہم سب روی کے کمرے میں چلے گئے۔ شادی کا کوئی شگن کرنا ہم کو بھولا نہیں تھا۔ ہم میں سے ایک بازار جا کر کچھ مٹھائی لایا، اور ہم روی کے کمرے میں بیٹھ کر روی کے سٹوو پر چائے بنانے لگے۔

ویسے ہم ہر آہٹ پر چونک پڑتے تھے، کہ اب بھی سوتیا کے ماں باپ اس کو ڈھونڈتے ہوئے آئے کہ آئے . . .

ایک لڑکا خبر لایا کہ سونیا کی ماں ہوسٹل میں بیٹھی ہوئی تھی اور روئے جا رہی تھی۔ اور سونیا کا باپ بہت غصے میں تھا، اس نے پوچھ گاچھ کر روی کا نام اور اس کے باپ کا نام معلوم کر لیا تھا، اور وہ روی کو ڈھونڈنے سے پہلے اس کے باپ کو ٹرنک کال کر رہا تھا۔۔۔۔

ہم سونیا اور روی کے منہ مٹھائی لگا رہے تھے۔ شادی کے شگن بھی کر رہے تھے، اور گھبراہٹ میں باری باری کھڑکی سے باہر بھی دیکھ رہے تھے، کہ ابھی کوئی یہاں تک پہنچا ہے کہ نہیں۔۔۔۔

اور یا تھوڑی ہی دیر بعد شادی کا سرٹیفکیٹ دیکھ لیتے تھے کہ وہ بطور ثبوت ہمارے پاس ہے یا نہیں)۔۔۔۔ ایک لڑکے نے بڑی چستی کی تھی، پنڈت جس وقت ہون کی آگ جلا رہا تھا، وہ دوڑ کر اپنا کیمرہ لے آیا تھا، اور اس نے روی اور سونیا کی بمعہ پنڈت کے، اور ہون کی آگ کے، کچھ تصویریں لے لی تھیں۔ معلوم نہیں کہ تصویریں اچھی آئی تھیں یا کہ نہیں، مگر یہ بھروسہ تھا کہ کچھ پھیکی یا گاڑھی آئی ہی ہوں گی۔۔۔۔

ایک لڑکا یونیورسٹی کے دفتر میں جا کر پھر خبر لایا کہ سونیا کے باپ نے روی کے باپ کو ٹرنک کال کر کے، بڑے غصے میں یہ دھمکی دی تھی، کہ اگر اس اس کے لڑکے کو آج اس کے ہاتھوں کچھ ہو گیا، تو وہ ذمہ دار نہیں ہوگا۔

"ہائی گاڈ!" سونیا یہ سن کر رونے لگی۔ روی بھی گھبرا گیا، پوچھنے لگا "آگے سے میرے باپ نے کیا جواب دیا تھا؟"

لڑکا بتانے لگا "مجھے فون میں سے ملا جواب نہیں سنائی دیا، مگر جب سونیا

کے باپ نے فون کا رسیور غصے میں ٹپکا، تو وہ فون میں سے ملے جواب کو بڑے غصے میں دہرا رہا تھا۔ اس پینے میں نے سنا تھا کہ آگے سے جواب ملا تھا "ڈونٹ با دری، آئی ڈونٹ کیئر اف سم تھنگ ہیپنز ٹو مائی سن۔"

"مائی گاڈ!" یہ دو لفظ رہ گئے تھے، جن کو کبھی سوبیتا دہرا لیتی تھی، کبھی روی، اور کبھی ہم میں سے کوئی۔

خیال آیا —— آخر سوبیتا کا باپ روی کے کمرے کو ابھی یا ٹھہر کر ڈھونڈھ ہی لے گا۔ اگر ہم میں سے دو لڑکے اس کے پاس جاکر، اس کو خود ہی سب کچھ بتا دیں اور یہاں لے آئیں تو شاید اس کا غصہ کچھ کم ہو جائے گا اور حالت کچھ سنبھل جائے گی۔

مگر جائے کون؟ روی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی میں سے کسی کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اور اوپر سے سوبیتا کہہ رہی تھی "میرا باپ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے پاس ریوالور کا لائسنس ہے، وہ سکتا ہے وہ جیب میں ریوالور بھی لایا ہو۔"

کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ مگر آخر کار سامنے ہونا پڑتا تھا —— یا ہم خود اس کے پاس جاتے، یا وہ خود ہم کو ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آجاتا۔ مگر یہ ضرور محسوس ہو رہا تھا، کہ اگر ہم خود اس کے پاس جائیں تو ضرور کچھ فرق پڑ جائے گا....

سب کی نظر میری طرف تھی، سب کی یہی رائے تھی کہ جس طرح آرام اور دلیل سے میں بات کر سکتا ہوں، اس طرح اور کوئی نہیں کر سکتا۔ انکار کرنے کا وقت نہیں تھا، میں مان گیا۔ ہم میں سے دو جو بہت اونچے لمبے قد کے لڑکے تھے، وہ میری حفاظت کے لئے چنے گئے۔ انہوں نے میرے ساتھ جانا تھا، بہت زیادہ

کہنا نہیں تھا، صرف میں جو کچھ کہوں اس کی حامی بھرنی تھی " ا. ریہ خیال رکھنا تھا کہ اگر وہ غصے میں آکر مجھ پر ہاتھ اٹھانے لگے، تو وہ مجھے بچالیں....

سوتیا کے باپ کو جب ہم لے کر واپس آئیں گے، اس وقت کے لئے بھی سوچا کہ جس کرسی پر اس کو بٹھائیں گے، وہ دونوں لڑکے اس کرسی کے پیچھے کھڑے ہو جائیں گے ـــــ اور تیار رہیں گے کہ سوتیا کا باپ اگر غصے میں آکر جیب میں سے ریوالور نکالنے لگے، تو وہ پیچھے سے جلدی سے اس کی بانہیں پکڑ لیں گے، اور....

معلوم نہیں کیا حادثہ ہونے والا تھا اور کیا نہیں ہونے والا تھا، مگر ہم یہ سب کچھ کسی بھی حادثے سے بچاؤ کے لیئے سوچ رہے تھے.....

ایسے خوفناک وقت بھی، ہماری سینس آف ہیومر شاید گم نہیں ہوئی تھی، ایک ساتھی کہنے لگا " کہ اگر سوتیا کے باپ نے یوں ہی رومال نکالنے کے لیئے ہی جیب میں ہاتھ ڈالا، اور سا وپر سے تم دونوں جھپٹ پڑے، اور اس کے بازو پکڑ لیئے، تو پھر....؛"

ہم پریشان سے ہنس رہے تھے۔

پھر ہم تینوں، ایک میں، اور دو میرے رکھوالے سوتیا کے باپ کو ملنے گئے، جا کر ہاتھ جوڑے، نمستے کیا، اور بڑی حلیمی کے ساتھ کہا، " ہم سوتیا اور روی کے دوست ہیں، اور آپ کو لینے کے لیئے آئے ہیں۔"

وہ بولا نہیں، کتنی دیر تک وہ ہمیں گھورتا رہا۔ پھر کہنے لگا ـــــ سو یو آر دی ممبر آف دیٹ گینگ....

معلوم تھا، جتنی تھوڑی بات کرونگا، اتنی ٹھیک رہے گی - جواب میں صرف وہی لفظ دہرائے ـــــ ہم ان کے دوست ہیں۔

"اُن" کے ساتھ ابھی اس کو واسطہ نہیں تھا، صرف سوتیا کے ساتھ واسطہ تھا، پوچھنے لگا، "ویئر از شی؟"

"وہ ہوسٹل میں نہیں اپنے گھر ہے" بڑی سادگی سے جواب دیا۔ اس سے، روی نے کمرے کو سوتیا کا گھر کہہ کر شادی کی خبر کا بھی اشارہ دے دیا تھا۔

وہ کچھ دیر اسی طرح چپ بیٹھا رہا، اور ہماری طرف دیکھتا رہا۔ ہمارے چہروں پر کسی طرح کی شوخی یا شرارت کی علامت نہیں تھی۔ اچانک اس نے مجھے پوچھا کہ میں کس شعبے اور کس سال کا سٹوڈنٹ ہوں؟

"چوتھے سال میں، انجینئرنگ کا سٹوڈنٹ" جواب دیا۔ اور باقی دو لڑکوں کے بارے میں بھی اس کے سوال کا جواب دیا "دونوں آرکیٹکچر کے سٹوڈنٹ، ــــ فائنل ایئر۔"

"سو یو آر دی بلڈرز آف یور کنٹری" اس نے کہا ــــ اور پھر اُٹھ کر ہمارے ساتھ چل پڑا۔

ماں کے بارے میں بھی کچھ کہنا تھا، اس لیئے بڑی حلیمی کے ساتھ پوچھا، "سوتیا کی ماں جی بھی آئے ہوئے ہیں؟"

"ہاں! ماتاجی، پتاجی، دونوں آئے ہوئے ہیں" اس نے پھر بڑے طنز کے ساتھ جواب دیا، مگر ہمارے ساتھ اکیلا سڑک پر آ گیا (بعد میں سوتیا سے معلوم ہوا تھا کہ وہ اس وقت سوتیا کی ماں کو جان بوجھ کر ساتھ نہیں لایا کہ وہ وہاں جا کر صرف رونا شروع کر دے گی، اور کوئی بات نہیں سننے دے گی)

ہم واپس روی کے کمرے میں پہنچے، تو روی نے جلدی سے اُٹھ کر اس کے

پاؤں کو چھُوا۔ اس نے بڑے غور سے روی کو دیکھا، پھر پاؤں پیچھے کر لیے — صرف کہا — سو یو آر دی جنٹلمین! روی نے جواب میں صرف ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔ اور ہم تمام بمعہ سوتیا کے، اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کی طرح چپ چاپ کھڑے تھے۔

میرا خیال ہے — وہ کتنی دیر تک، وہ کسی کی طرف، سوتیا کی طرف بھی نہیں، صرف سوتیا کے ماتھے پر لگی ہوئی بندی کی طرف دیکھ رہے تھے....

"آئی وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو، ایلون" اس نے بڑی دیر کی خاموشی کے بعد سوتیا کو کہا۔

ہم تمام دوست بمعہ روی کے، کمرے میں سے باہر چلے گئے۔ دل میں ڈر بھی تھا دور نہیں گئے تھے۔ صرف کمرے سے باہر برآمدہ میں، اور کمرے کی دیوار کے ساتھ یوں کان لگا کر کھڑے ہو گئے تھے — کہ اگر کوئی خطرے کی بات کان میں پڑے، تو اندر جا کر سوتیا کو بچا سکیں۔

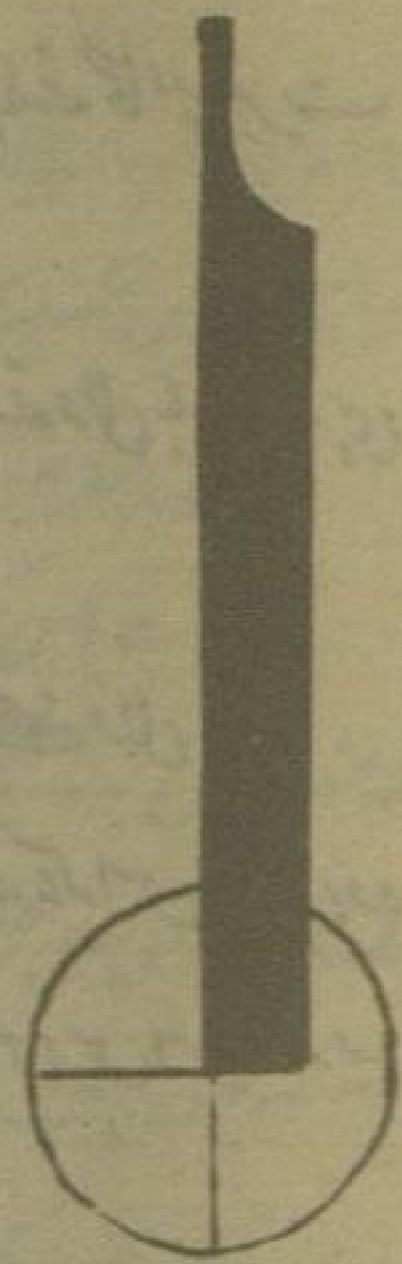
ہم نے سُنا، اس کا پہلا سوال تھا کہ ہم لوگ کون تھے؟ صرف لڑکے تھے یا نہیں؟ اور آخری سوال تھا، کہ یہ شادی سوتیا کی مرضی سے ہوئی تھی یا اس کے ساتھ زبردستی ہوئی تھی؟

یہ ایک باپ کی آواز تھی، بڑے جائز سوال تھے، صرف ہم ہی کچھ نہیں، سوتیا کو بھی باپ سے اس قسم کی اُمید نہیں تھی۔ شاید اس لیے کہ سوتیا بھی ہماری طرح سماج کے رکھوالوں کی طرف سے جو ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا اس سے اتنا ڈر گئی تھی کہ اس کو اپنے باپ پر بھی یقین نہ رہا....

کوئی حادثہ رونما نہ ہوا۔ ہم نے گھبراہٹ میں ہروی اور سوتیا کی شادی کا جو حل ڈھونڈا تھا، اس کے باپ نے اس کو قبول کر لیا تھا —— ہمارے خوف کو سمجھ لیا تھا۔

ہمیں شرمندگی سی محسوس ہوئی کہ ہم نے ایک اچھے آدمی کو خواہ مخواہ پریشان کیا تھا۔ یہ سب کچھ ہم اس سے پوچھ کر اس کی مرضی سے کر سکتے تھے، مگر شاید اس میں ہمارا زیادہ قصور نہیں تھا...

سیدھ ٹسک گارڈینز آف اور کلچر... ہم ان کے لیے دانت پیس کر صرف یہ لفظ دہرا سکتے تھے، جنہوں نے ہمارے یقین کو اس طرح توڑا۔ کہ سوتیا جیسی لڑکی اپنے باپ پر بھی یقین کرنے سے گھبرا رہی تھی.....



پتہ نہیں کہاں کیا غلط تھا...

سٹوڈنٹ ہندو ہو، اس کو پتہ ہوتا ہے، کہ اس کو مسلمان پروفیسر کے پیپر میں کم نمبر ملیں گے....

سٹوڈنٹ مسلمان ہو، تو اس کو پتہ ہوتا ہے کہ اس کو ہندو پروفیسر کے پیپر میں کم نمبر ملیں گے....

گجراتی پروفیسر کو پنجابی سٹوڈنٹ پسند نہیں....

بنگالی پروفیسر کو گجراتی سٹوڈنٹ پسند نہیں.....

ساؤتھ انڈین پروفیسر کو....

ہر مذہب شاید ایک گڑھا ہے، ہر ذات بھی شاید ایک گڑھا ہے، اور ہر بولی بھی شاید ایک گڑھا ہے... پاؤں کبھی کسی گڑھے میں جا پڑتا ہے، کبھی کسی گڑھے میں۔

مگر چوٹ ہمیشہ ماتھے پر لگتی ہے ـــــ سوچوں پر....

تنویر کو علم ہے، اس کو اس سال بھی پاس نہیں ہونے دیا جائے گا، یہ صرف تنویر کو ہی نہیں، ہر ایک کو علم ہے، مگر کوئی کچھ نہیں کر سکتا....

ہم سارے دوست تنویر کو سمجھاتے تھے، مگر اس سال سمجھانے والی بات نہ رہی۔ سمجھنے والی بن گئی ہے....

صرف یہ معلوم نہیں ہوتا، کہ ہمارے سمجھنے والی، یا کس کے سمجھنے والی....

مسٹر جوزف، اس کا پروفیسر پتہ نہیں کس جنم سے دکھی ہے، کہ اس جنم میں وہ ہنسنے کی کوشش بھی کرتا ہے، تو رونے کو آجاتا ہے۔ پچھلے سال کلاس میں اس نے یہ کوشش کی تھی....

کوئی بڑا بوڑھا جوک اس نے کلاس میں سنایا تھا، لڑکے اس کو خوش کرنے کے لیئے ہنس پڑے تھے، جیسے اس کے مذاق کی داد دے رہے ہوں، مگر تنویر نہیں ہنسا تھا۔ تنویر کی شہرت تھی، کہ وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے زیادہ عقلمند ہے۔ اور مسٹر جوزف کے خیال میں اس عقلمند لڑکے سے داد نہ ملنا اس کی توہین تھی....

تنویر کے خیال میں اگر وہ اس گھٹیا مذاق کی داد دیتا، تو مسٹر جوزف کی توہین کر رہا ہوتا، مگر داد نہ دینا توہین بالکل نہیں تھی، اور اس کے خیال میں اب مسٹر جوزف کا اس سے اس طرح بدلہ لینا، دنیا کا سب سے گھٹیا مذاق تھا....

"مسٹر جوزف خدا کا سب سے گھٹیا مذاق ہے" یہ سوچنے کے علاوہ ہم کیا کر سکتے تھے؟ کہیں شنوائی نہیں تھی، صرف اس کے پاس سے گزرتے ہوئے، یا اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے کئی لڑکے اس کو مسٹر جو.... کہہ لیتے تھے۔ محسوس ہوتا تھا

یہ مسٹر جو .... جیسے مسٹر جوزف کے لیئے ہو، مگر یہ مسٹر جوک لیئے ہوتا تھا، صرف جسکے لفظ کسی کے کانوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ادھر ہوا میں گرانا ہوتا تھا....

ہوا میں پتہ نہیں کیا کیا گرانا پڑتا ہے، اور کیا کیا گرانا پڑے گا....

ہمارے پاس کچھ لفظ ہوا میں گرانے کے لیئے تھے۔ کچھ لفظ، کچھ سطریں، کچھ شکوے، کچھ غصہ، بس .... مگر مسٹر جوزف، تنویر کی عمر کے برس، ہوا میں گر رہا تھا، پچھلے سال گر چکا تھا، یہ برس بھی گرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا....

اس دن جب تنویر آیا تھا، بے کسی کا احساس آیا تھا — ہم سب وینی، اشوک اور میں — ایک فلم دیکھنے جا رہے تھے، تنویر کو بھی لے گئے۔ وہاں پہنچ کر ٹکٹ خریدنے کے بعد ایک عجیب بات سوجھی۔

"لیٹ اس نلرٹ ود ویلگریٹی" خیال اشوک کا تھا، مگر سب کو منظور تھا۔

ہم سب نے اپنے اپنے ٹکٹ عجیب جگہ رکھ لیئے۔ گیٹ کے پاس پہنچے، گیٹ کیپر نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے آگے تنویر تھا، اس نے گیٹ کیپر کو یوں دیکھا، جیسے اس کو بات کی کچھ سمجھ نہ آئی ہو۔ گیٹ کیپر نے کچھ غصے میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — مسٹر ٹکٹ...

تنویر کے منہ پر غصے کا بدلہ غصے میں بالکل نہیں تھا، مگر وہ ایک منٹ ایک ٹک گیٹ کیپر کے منہ کی طرف دیکھتا رہا، اور پھر جھک کر ایک پاؤں کے بوٹ کا تسمہ کھولنے لگا۔

گیٹ کیپر نے گھبرا کر اس کے کندھے پر سے ہاتھ اٹھا لیا، اور یوں اچھل کر پیچھے ہٹا، جیسے ابھی تنویر نے پاؤں سے بوٹ اتار کر اسے مارنا ہو۔

گیٹ کیپر کے منہ کا رنگ دیکھنے کے لائق تھا۔ تنویر بالکل سیریس تھا جیسے

ہر زکت معمولی ہو۔ اس نے آرام سے ایک بوٹ اتارا، پھر جراب اتاری، اور اس میں سے ٹکٹ نکال کر بڑے آرام سے گیٹ کیپر کے ہاتھ میں تھما دیا۔

اُس کے پیچھے میں تھا۔ میں نے ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھے۔ پہلے میں نے بھی گیٹ کیپر کے منہ کی طرف یوں دیکھا، جیسے ٹکٹ دکھانا مجھے یاد نہ رہا ہو، پھر آرام سے ایک ہاتھ کا دستانہ اتارا، اور اس میں سے ٹکٹ نکال کر اس کو دکھا دیا۔

ہم چاروں کے منہ پر ہنسی یا مذاق کی بالکل کوئی علامت نہ تھی۔ اس بار گیٹ کیپر نے ہی ذرا سا مسکرانے کی کوشش کی، مگر ابھی وہ پہلے خوف سے سنبھل نہیں سکا تھا کہ مسکرا سکتا ابھی تک وہ یہی شکر منا رہا تھا کہ کسی منچلے نے بوٹ کے ساتھ اس کی پٹائی نہیں کی۔

مجھ سے پیچھے اشوک اور دینی تھے۔ ان کی باری آئی، تو وہ دونوں اپنی اپنی پتلونوں کے بٹن کھولنے لگے۔ اس وقت پھر گیٹ کیپر کا حال دیکھنے والا تھا۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹا تو اس کا سر دروازے سے ٹکرایا۔ اتنی دیر میں اشوک اور دینی نے پتلونوں کے بٹن کھول لیے تھے، اور اپنا ایک ایک ہاتھ پتلون کے اندر ڈال کر ایک ایک ٹکٹ نکال لیا تھا۔

بس اس طرح کے بے معنی مذاق سے، ہم نے مسٹر جوزف کے بے معنی مذاق کا غصہ نکالا۔ مگر یہ غصہ نہیں تھا، غصے کی طرح تھا۔

غصہ نکالنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ تنویر کے گم ہوئے حواس کو ڈھونڈنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

فلم دیکھنے کے بعد، واپسی پر رجنی نے اپنے گھر بلایا ہوا تھا۔ وہاں اور آئے ہوئے لڑکوں میں سے کئی ہمارے کالج سے تھے اور کئی باہر کے بھی تھے، شاید رجنی کے کزن

معلوم نہیں۔ لڑکیاں بھی تھیں۔ میرے لیے "دبلگوئیز" کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ یہ لفظ سننے کا بھی پہلا تجربہ تھا۔

"وُی ویل ہیو بلیورز" روبی نے کہا تھا، اور مجھے ایک سگریٹ آفر کیا تھا۔

میں نے سگریٹ کو عام سگریٹ سمجھ کر پکڑ لیا تھا، اس سے زیادہ مجھے کچھ پتہ نہ لگا تھا۔ مگر آدھا سگریٹ پینے کے بعد جب میرا سر چکرانے لگا، تو مجھے پتہ لگا کہ سگریٹ میں چرس ملی ہوئی ہے۔

تنویر نے شاید دو سگریٹ پیئے تھے۔ کمرے میں مغربی میوزک بج رہا تھا، وہ ڈانس کرنے لگا۔ اس کی فرمائش پر روبی نے "سلی ایسٹ" کا ٹیپ لگا دیا تھا:

اٹ از ٹو ایزی ہمنگ سونگز ٹو اے گرل ان یلو ڈریس، یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ کمرے میں بیٹھی لڑکیوں میں سے ایک نے واقعی زرد بلاؤز پہنا ہوا تھا، ظاہر تھا کہ چرس والا سگریٹ اس نے بھی پیا ہوا تھا، وہ اُٹھ کر تنویر کے ساتھ ڈانس کرنے لگی۔

"گرل ان یلو ڈریس" شاید اس کو بالکل اپنی بات معلوم ہوئی تھی، "گیت، کا نہ سر تھا نہ پیر، مگر آوازیں بہت گہری اور بھری ہوئی تھیں:

اِٹ ہیز بِن اے لانگ ٹائم سِنس دی پارٹی

اینڈ دی روم از اِن اے میس

وائی ڈو نٹ یو کٹ یور ہیئر۔۔۔

تنویر اس وقت خوشی میں تھا، تھا نہیں، معلوم ہوتا تھا۔ یہ گیت ختم ہو گیا تو وہ تب بھی پیلی جین والی لڑکی کے ساتھ ڈانس کرتا رہا۔ اس دفعہ وہ خود گا رہا تھا:

یو مساک آؤٹ ادن می

وین ڈوٹی بوتھ ڈس اگیری

بی کاز ڈریزن از ناٹ وٹ یو کیئر نار۔۔۔۔

پہلی جین والی لڑکی چرس کے نشے میں تھی، اس نے گیت کے معنوں پر کوئی غور نہ کیا۔ مگر تنویر کے گیت سے ظاہر تھا، کہ اس کے دل کی رگ ابھی بھی دکھ رہی تھی۔۔ واپسی پر، مجھے یاد ہے، تنویر سڑک پر چلتے ہوئے گنگنا رہا تھا، "اینڈ دی لائف از ان اے میس" "روم لفظ کی جگہ لائف لفظ اس نے سوچ کر نہیں بدلا، اس سے خود بخود بدل گیا تھا۔۔۔



شیریں کے ساتھ میری دوستی ایک خط سے شروع ہوئی تھی۔

یہ میرا خط شیریں کو لکھا ہوا نہیں تھا، اپنی ماں کو لکھا تھا۔ ماں کو خط لکھے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے، اس لیئے اس کو خوش کرنے کے لیئے ایک آئیڈیا سوچا۔ اور کسی کے لیئے شاید میں کچھ بھی نہیں ہوں گا۔ مگر ماں کے لیئے 'امپورٹنٹ' تھا، یہ معلوم تھا۔ اس لیئے فل سکیپ سائز کا ایک کاغذ لے کر اس کو اخبار کے پہلے صفحے کی شکل دی۔ اخبار کا نام رکھا — دی ٹائمز آف کیل۔

ماں ہر بات جاننا چاہتی تھی، میری صحت، پڑھائی، دوستی، چھٹیوں میں گھر جانے کی تاریخ، اور پیسوں کی ضرورت۔ اس لیئے جب بڑا سنوار کر اخبار کا نام لکھا، اُس کے نیچے اس دن کی تاریخ لکھی، اُوپر اُس اخبار کے جاری ہونے کی تاریخ، اپنی پیدائش کی تاریخ لکھی — اس دن سے اکیس برس پہلے کی، اور اس اخبار کی سب سے زیادہ

سیل کہاں ہوتی ہے، وہاں ماں کا اڈریس لکھ دیا۔

اخبار کے چھ کالم تھے۔ دو کالموں میں موٹی سی سرخی لکھی "میجر نانشیل کرائیس"
نیچے خبر لکھ دی کہ مائیکروسکوپ کے ساتھ دیکھنے سے پتہ لگا ہے کہ جیب میں سے
پیسے ختم ہو گئے ہیں۔

ماں کو میری سٹڈی کا فکر تھا، اس لیے اخبار میں ایک اپنا اسکیچ بنا لیا ——
میز پر ڈھیر سی کتابیں پڑی ہوئی تھیں، اور لڑکا سر جھکائے بڑے دھیان سے
پڑھ رہا تھا۔ سامنے ایک لڑکی کا اسکیچ بھی بنا دیا، جس سے ظاہر تھا، کہ اگر سامنے لڑکی
بھی کھڑی ہو، تو بھی لڑکا ادھر دھیان نہیں کرتا۔ اپنی پوری توجہ سے پڑھتا تھا۔

نیچے خبر لکھی —— ملرمے آرڈروں منتھ سٹڈی باز

ماں کو فکر رہتا تھا کہ میں روزانہ صرف چائے پیتا ہوں کہ دودھ۔ اس لیے خبر لکھی
—— نو اینکریز ان دی ملک پرائز ماسٹر ڈرنکیس اے گلاس آف ملک ایوری ڈے۔

گزشتہ چھٹیوں میں ماں نے شطرنج کھیلنے سے منع کیا تھا، اس لیے ایک
کالم میں یہ بھی خبر لکھی —— ماسٹر رزائن فرام چیس۔

ماں کو اچھی کتابیں پڑھنا بہت اچھا لگتا، اس لیے اس اخبار کی نیوز سروس
کی طرف سے اطلاع بھیجی کہ گھر کی الماریوں کے خانے خالی کیئے جائیں، کیونکہ ماسٹر
نے پلیٹو سے لے کر کاموادر ہنری ملر تک کی بہت سی کتابیں خریدلی ہیں، اور گھر
کا یہ پورا کمرہ لائبریری بننے والا ہے۔

دیدر رپورٹ بھی لکھی —— آو پٹے مزم آبود نارمل ان دی میجر پارٹس
آف دی مائنڈ، دِ دا اے فیو سکیٹرڈ شاورز آف ڈیپریشن۔

موسم بارے پیشن گوئی بھی کی ــــ اے سٹیڈی اینڈ لیجیس ان دی پریریشن آف دی اگیزامز۔

اخباروں میں اشتہار بھی ہوتے ہیں، اس لیئے ایک کونے میں اشتہار دیا ــــ وانٹڈ۔ اور ساتھ لکھا ــــ پرموشن فرام دی فورتھ ایئر انجینیرنگ۔

لیٹ نیوز بھی ضرور دینی تھی۔ ماں کو میرے روزانہ اچھی طرح نہانے اور کپڑے بدلنے کی فکر رہتی تھی، اس لیئے خبر دی ــــ ماسٹر چینجڈ ہز انڈر۔ کلاتھنگز آفٹر اے گڈ باتھ۔

یہ سب لکھ کر کاغذ میز پر رکھا تھا، پوسٹ کرنے لگا تھا، کہ شیریں آگئی۔

ہماری حویلی اب تک ایک کلب کی طرح بن چکی تھی۔ ہوسٹل کے لڑکے اور لڑکیاں اکثر شام کو یہاں آجاتے تھے۔ لڑکیوں نے ساڑھے آٹھ بجے تک ہوسٹل واپس جانا ہوتا تھا (ہفتہ اتوار ساڑھے دس بجے تک)، اس لیئے ہماری حویلی کی شام بڑی رونق والی ہوتی تھی۔ شیریں پہلے بھی آیا کرتی تھی، اور میری واقف تھی، اور واقفیت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ اس دن اس نے میرے کمرے میں آکر وہ اخبار پڑھا۔ میرا مطلب ہے اس نے وہ میرا خط پڑھا۔ پہلے "بریلینٹ جرنلسٹ" کا خطاب دیا، اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر ڈانس کرنے لگی۔

روبی نے آج کل اپنا ریکارڈ پلیئر لا کر اس حویلی میں رکھ دیا تھا۔ اکثر ہر شام کو وہ بھی ضرور آتا تھا۔ اس کے ہوسٹل کے گم ہوتے دن اس کو دوبارہ مل گئے ہوتے معلوم ہوتے تھے۔ اپنی اپنی پسند کا ایک ایک ریکارڈ ہم سب نے خریدا تھا، مگر زیادہ ریکارڈ روبی کے تھے۔ شیریں نے ہال میں جا کر میرا ریکارڈ لگایا۔ آئی ایم سو ہیپی

آئی کڈ ملائی .... اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر، ڈانس کرتی مجھے ہال میں لے گئی۔

ہال میں اور بھی کئی تھے۔ مگر شیریں میرے ساتھ ڈانس کرتی رہی۔ یہ پہلا دن تھا، جب میں نے ایک لڑکی کو اتنا قریب سے دیکھا تھا۔

شیریں پارسی لڑکی ہے۔ ایک پارسی لڑکا اس کا بڑا دوست تھا۔ مگر اس کا خود پارسی ہونا شیریں کو معلوم نہیں کیونکہ اس طرح یاد آیا (اس کا پارسی ہونا، یا میرا پارسی نہ ہونا) کہ اس نے ڈانس کرتے کرتے زور سے ایک گھونسہ میری چھاتی پر لگایا، اور کہنے لگی — "تم پارسی کیوں نہیں؟"

"اٹ از ناٹ مائی فالٹ" میں نے اس کے کانوں کے قریب جھک کر کہا۔

"اٹ از یور فالٹ!" شیریں نے اپنے ہونٹوں کو میرے کان سے لگا کر کہا۔

ہونٹوں کے ساتھ کان کو چھو کر، اور ذرا نیچے گردن کو بھی۔

"او مائی گاڈ ...." شیریں میرے بازوؤں میں کانپ سی گئی۔

میرا بازو بھی شاید کانپ گیا تھا یا اس کی پیٹھ کی کپکپی میرے بازو تک آگئی.... مگر پھر بھی میں نے اس کو بازو کا سہارا دیا۔ وہ نڈھال سی میرے بازو کے سہارے کھڑی تھی۔

موم بتی کی روشنی ایک ہاتھ ہوتی ہے۔ کمرے میں اور بھی لڑکیاں تھیں، لڑکے بھی، ان میں سے بھی کئی ڈانس کر رہے تھے، سب اپنے آپ میں مست تھے۔ شیریں نے آنکھیں تقریباً بند کر لیں تھیں، جیسے باہر کا اندھیرا کافی نہ ہو۔

میں نے شیریں کے ہونٹ چومے۔ محسوس ہوا — آنکھیں بند کی ہوئی تھیں مگر ہونٹ بند نہیں کئے ہوئے تھے ....

یہ صرف بعد میں ماں کو خط پوسٹ کرتے وقت خیال آیا کہ اس میں جو اسکیچ تھا — ایک لڑکا بڑے دھیان سے میز پر پڑی ہوئی کتابیں پڑھ رہا تھا، اور سامنے ایک لڑکی کو دیکھ کر بھی، اپنی کتابوں میں مگن — وہ اسکیچ جھوٹا ہو گیا تھا۔
خط لکھنے کے وقت تک وہ سچا تھا، مگر پوسٹ کرنے کے وقت وہ جھوٹا ہو گیا تھا۔۔۔

شیریں کا دوست لڑکا اس سے ساتھ ناراض ہو گیا تھا۔
میں نے شیریں کو کہا تھا، وہ شام کو حویلی میں نہ آیا کرے، یا اس کو بھی اپنے ساتھ لایا کرے۔ مگر شیریں نے میری بات نہ سُنی۔
ایک شام میں اپنے کمرے میں آیا، تو وہاں شیریں پہلے ہی موجود تھی، اکیلی — سوچا — آج شیریں کو غصے سے کہوں گا، کہ وہ آئندہ ایسا نہ کرے۔ معلوم ہوا تھا کہ شیریں کی اس پارسی لڑکے کے ساتھ منگنی ہونے والی ہے۔
میں نے دیکھا — کہ شیریں نے میرے صندوق میں سے میری ماں کی تصویر نکال کر میز پر سجا رکھی تھی۔ پتہ نہیں کب دیکھ گئی تھی، اس کے رنگ کا فریم خرید لائی تھی۔ میں نے پہلے شیریں کی طرف دیکھا، پھر ماں کی تصویر کی طرف، شیریں کو کچھ نہ کہہ سکا۔
صرف بال میں ڈانس کرتے وقت اتنا پوچھا — تمہارے دوست کا کیا حال ہے؟
"وہ ناراض بھی ہو جاتا ہے، اور خود ہی راضی ہو جاتا ہے" شیریں نے عام سا جواب دیا۔
"تمہیں تکلیف نہیں ہوتی؟" مجھے پوچھنا پڑا۔

وہ ہوتی ہے" اس کا یہ جواب بھی تکلیف دہ نہیں تھا، معمولی جواب تھا۔

"آئی کانٹ انڈر سٹینڈ" کچھ وقفہ کے بعد میں نے کہا۔

"یُو وانٹ ٹو انڈر ___ سٹینڈ؟" اس نے جواب میں پوچھا۔

میں اس کے پتلے ملائم چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ کہا نہ گیا۔ محسوس ہُوا وہ کوئی عجیب بات کرنے لگی تھی ___ اور یہ بھی محسوس ہوا کہ شاید میں وہ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مگر اب میرے سننے یا نہ سننے کا سوال نہیں تھا۔ میں پوچھ چکا تھا، اس نے جواب دینا تھا۔ کہنے لگی ___ "آئی فیل لائیک ہینگنگ ان سپیس ایز اے نارم آف کاسمک ڈسٹ....."

میں کتنی دیر تک شیریں کے مُنہ کی طرف تکتا رہا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ میرا وجود بھی دھرتی کی گرویٹی میں سے باہر ہو گیا تھا....

"کم بیک ٹو دی اَرتھ....." معلوم نہیں کہ میں نے اپنے آپ سے کہا تھا یا شیریں کو، شاید دونوں کو، کیونکہ جواب اس نے دیا ___ دھرتی کی گرویٹی کی طرف کیوں؟ واپس کیوں؟ آگے چاند کی گرویٹی کی طرف کیوں نہیں؟

سمجھ گیا، دھرتی کی گرویٹی سے وہ ڈرتی تھی، کیونکہ دھرتی پر اس کے پارسی ہونے کی، اور میرے پارسی نہ ہونے کی، حقیقت اس کے سامنے آکھڑی ہوتی تھی۔

اچانک میرا ہاتھ اپنی گردن کی طرف گیا ___ یوں جیسے وہاں ہلکی سی گرد پڑی ہو ___ کاسمک ڈسٹ.....

کاسمک ڈسٹ کا پتہ نہیں، مگر شیریں کے لفظ ضرور میری گردن پر گرے ہوئے تھے۔

کوئی لڑکی جب چاند کی گرویٹی کی طرف جانے کی بات کرے، شاید مرد کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ادھر چل پڑتا ہے..... محسوس ہوا ــــ اس وقت اکیس برس کی عمر سے اچانک کچھ بڑا ہو گیا تھا، اور میرا ایک حصہ دھرتی کی گرویٹی سے اوپر ہو کر، نو گرویٹی سپیس میں سے گزر کر، چاند کی گرویٹی میں داخل ہو رہا تھا....

شاید یہی وقت تھا ــــ میرا "میں" ایک نہیں رہا تھا، دو ہو گئے تھے، ایک مجھ سے دور کہیں شیریں کے ساتھ ڈانس کرتا، باتیں کرتا، اس کے ہونٹ چومتا، اور ایک ــــ میرے پاس کھڑا، صرف اس دوسرے کی طرف دیکھتا رہتا....

معلوم ہے ــــ انسانی مزاج کی تشریح کرنے والے اس کا مطلب کچھ اور سمجھیں گے۔ ایسی حالت کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ وقتی طور پر انسان دوسروں کا رول ادا کرتا ہے، یہ دیکھنے کے لیئے کہ وہ دوسروں کی نظروں میں کیسے دکھائی دیتا ہے، اسی لیئے وہ ایک ہی وقت آبجیکٹ بھی ہوتا ہے سبجیکٹ بھی....

مجھے کسی کا علم نہیں، اپنا علم ہے۔ یہ صرف اس لیئے ہے کہ میرا اپنا آپ پورے کا پورا کبھی حرکت میں شامل نہیں۔ اور جو، جتنا بھی، اس میں شامل نہیں، وہ صرف تماشائی ہے۔



شامت آتی نظر آتی تھی، مگر اتنی تیزی کے ساتھ نہیں۔ اچانک سامنے آکھڑی ہوئی۔ تنویر کے لیئے ایک ہی حل نظر آتا تھا کہ وہ مسٹر جوزف کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگے (یوں معافی مانگنا جیسے جان کی خیر مانگنا ہو)۔

مسٹر جوزف نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا — یو ڈیل سی اف یو اوور پاس ....

تنویر سال بھر سے بہت خاموش رہتا تھا، اس کے اندر اکٹھی ہوئی چپ پھٹ گئی۔ وہ ہنسنے لگا، کہنے لگا — سر! آپ کے احمقانہ مذاق پر نہیں ہنسا تھا، مگر یہ ظالمانہ مذاق ہے، میرا خیال ہے مجھے اس پر ہنسنا چاہیئے .....

اور اب نوبت صرف اتنی نہیں رہی تھی، کہ تنویر کو اس سال بھی جان بوجھ کر فیل کر دیا جاتا، معلوم ہوا کہ تنویر کو کالج میں سے نکالنے کی سازش ہو رہی ہے۔

یہ سازش اگر سچ مچ کامیاب ہو جاتی، تو پھر مسٹر جوزف کا صرف احمقانہ

اور ظالمانہ مذاق نہیں ہونا تھا، یہ ایک بہت بڑا ادنگر جوک ہونا تھا۔

آرکیٹکچر کا ایک بہت جھلا سٹوڈنٹ تھا ـــــ ہیرو ـ اتنا جھلا کہ امتحان میں اس کو ایک وبرڈ کیج، بنانا ملا، اور اس نے برڈ کیج میں ایک بیڈروم بھی بنایا تھا، اور ایک باتھ روم بھی ـ کہتے ہیں کہ یہ جھلاپن اس کو سر میں ایک چوٹ لگنے کے بعد ہوا تھا ـ اپنی سکول کی پڑھائی میں وہ کبھی فسٹ بھی آیا کرتا تھا ـ مگر یہ اس کے دماغی حالت کی بات ہے اس کے دل کی نہیں ـ معلوم ہوا کہ مسٹر جوزف نے اس جھلے "ہیرو" کو کچھ اس طرح کا سکھایا کہ وہ اگر اسی طرح وہی دہرا دیتا، اور ڈین کے سامنے پیش ہو کر اپنے بیان پر قائم رہتا، تو تنویر پر ہومو کا الزام لگ جاتا، اور پھر تنویر کو کالج میں سے نکالا جاتا تھا.....

ہیرو کے دل میں یہ کہیں ضرور تھا، کہ یہ غلط ہے، اس نے مسٹر جوزف کو کچھ نہیں کہا، مگر گھبرا کر تنویر کو بتا دیا ـ

"دس از آل ویری ڈِسگسٹنگ"، تنویر نے صرف بار بار ہمیں یہی کہا، اور کوئی لفظ نہیں کہا ـ یا ایک دن یہ کہا ـــ آئی کین سیمنٹ ٹو لائف، ناٹ ٹو اینی ون ایلس ـ

اور تنویر نے صرف کالج نہیں، دلیس کو بھی چھوڑ دیا ـ

اس حالت میں نہ اس کو کہیں سکالرشپ مل سکتا تھا، اور نہ دلیس میں سے باہر جانے کے لئے پیسہ ـ کسی طرح اس نے صرف چار سو ستر روپے اکھٹے کئے، اور بمبئی سے کشتی کے ذریعے بصرہ چلا گیا ـ وہاں وہ خالی ہاتھ کیا کرتا ہو گا، ہمیں کچھ علم نہیں تھا.....

"اٹ از آل ویری موسگس ٹنگ ــــ" تنویر چلا گیا تھا، مگر اس کے یہ لفظ پیچھے رہ گئے تھے.....

یہ لفظ کئی شکلوں میں نظر آتے تھے، مثلاً ہماری کالج والی سڑک اوپر ایک مریل سا کتا ہم روز دیکھتے تھے۔ اس کی پچھلی ٹانگیں شاید کسی لاری موٹر کے نیچے آگئی ہوں گی، پتہ نہیں، مگر اب وہ نہ اس کے دھڑ سے الگ ہوئی تھیں، نہ جڑی ہوئی تھیں۔ وہ جب ان ٹانگوں کو زمین پر گھسیٹتا، کسی کے پاؤں کو چاٹنے کی کوشش کرتا تھا ــــ تنویر کے لفظ ہمیں اس کی شکل میں سے بھی نظر آتے تھے.....

ایک غصہ تھا، رُکے ہوئے پانی کی طرح، جس کے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اس لئے وہ جہاں رُکا ہوا تھا، ان دیواروں کو ہی گھسا رہا تھا۔

ہم سب اپنے آپ کو ہی گھسا رہے تھے۔

رضوی نامی ایک لڑکے کے پاس نیا موٹر سائیکل تھا۔ ویسے وہ بڑا دوست نواز لڑکا تھا، اس کے ساتھ کوئی بھی کافی پینے چلا جائے۔ وہ کبھی کو بل نہیں ادا کرنے دیتا تھا۔ مگر اپنی موٹر سائیکل وہ کسی کو بھی چلانے نہیں دیتا تھا۔ تنویر والے حادثے کے بعد ایک دن اشوک کا غصہ اچانک رضوی پر برس پڑا ــــ سالا موٹر سائیکل کو ہاتھ نہیں لگانے دیتا.....

اس دن وینی اور اشوک کو ایک ترکیب سوجھی۔ شام کو جب رضوی آیا اشوک اس طرح حرکتیں کرنے لگا جیسے اس نے شراب پی رکھی ہو۔ شرابی حرکتوں کی ایکٹنگ میں اس نے رضوی کو زور کا ایک گھونسہ مارا ــــ سالے! موٹر سائیکل دینا ہے یا نہیں؟ رضوی نے گھبرا کر موٹر سائیکل کی چابی اس کے سامنے

کر دی۔ پاس سے وینی نے کہا تھا کہ اشوک اس وقت ہوش میں نہیں۔ اس لیئے اگر اس کو انکار کیا تو پتہ نہیں کیا کر بیٹھے۔ اور وینی نے رضوی کو یقین دلایا کہ موٹر سائیکل وہ خود چلائے گا، اور اشوک کو صرف پیچھے بٹھائے گا۔ اور وہ دو چار میل کا چکر لگا کر واپس آجائے گا۔

وینی اور اشوک نے ایک گھنٹہ موٹر سائیکل چلائی —— صرف رضوی کی ضد توڑنے کے لیئے۔ رضوی کی ضد بھی یوں ہی دل کا بہانہ تھی —— اصل میں تنویر والے حادثہ کا غصہ تھا، جو مسٹر جوزف پر نہیں نکالا جا سکتا تھا۔

شیریں، تنویر کو نہیں جانتی تھی، اس نے ہم میں سے اس کی بابت سُنا تھا، کمبخت کو معلوم نہیں کیا سوجھا، ایک دن اکیلی ستر میل دور ایک جھیل کو دیکھنے چلی گئی۔ واپس آئی تو "ہیچ ہائی کنگ" کا خیال تمہیں تنویر کی وجہ سے آیا تھا، میں نے اس کو چلتے دے کر، پہلے بڑے آرام سے صرف یہی پوچھا تھا۔

دل میں اس پر غصہ آرہا تھا، مگر وہ زرد چہرے کے ساتھ یوں بیٹھی ہوئی تھی، کہ غصے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

رات آدھی گزرنے کے قریب تھی، جس وقت وہ واپس آئی تھی، اس وقت ہوسٹل میں نہیں جا سکتی تھی، اس لیئے وہ ہماری حویلی میں آگئی تھی۔

"تھینک گاڈ آئی ایم آلائیو" اس نے آتے ہی یہ کہہ کر، کسی کو بھی ناراض ہونے کے قابل نہیں رہنے دیا۔

میں ہاتھ میں تھرموس لے کر چائے کی دکان پر گیا تھا، دوکان بند تھی، مگر دوکان والا قریب ہی چارپائی پر سویا ہوا تھا، اس کو دو روپے دے کر اس سے چائے بنوائی تھی،

وہ چائے کا ایک پیالہ جب پی چکی، بقایا چائے اس کی طرف کر کے، اس کے منہ سے نکل گیا تھا، "باقی کی گرم چائے تمہارے سر پر انڈیل دوں، کہ تمہارے سر کو کچھ سمجھ آجائے؟"

"سے بھی اِن دی مارننگ، ناٹ ناؤ۔۔۔۔" اس نے بمشکل یہ کہا، اور کانپتے ہوئے میرے کمرے میں سو گئی۔

میں ہال میں اشوک کے پاس جا کر سو گیا۔

اس طرح کے ڈراؤنے خواب مجھے زندگی بھر کبھی نہیں آئے۔ بڑی تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے ٹرک۔۔۔۔۔ ہر ایک ٹرک میں سے چیخوں کی آواز۔۔۔ کوئی ٹرک سڑک پر اُلٹا ہوا۔۔۔ کوئی میری طرف یوں آتا ہوا، جیسا سیدھا میرے اوپر سے گذر جائے گا۔۔۔۔

معلوم نہیں رات کو نیند نہ آنے کا غصہ تھا یا کچھ اور، سویرے جب کمرے میں گیا، شیریں کو کہا ــــ سم تھنگ از ریلی اپن بین اَبوڈٹ یو۔

"آئی تھنک سو" شیریں نے جواب دیا۔

کوئی اپنے منہ سے یوں کہہ دے، تو اس کو کیا کہا جا سکتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد یہ کہہ سکا، "مگر تمہیں ہوا کیا تھا؟ تمہیں یہ خیال تنویر کی وجہ سے کیا تھا؟"

"پارٹلی"

مگر تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ وہ لڑکا ہے، وہ سڑک پر بھی سو سکتا ہے۔۔۔ وہ۔۔۔"

"اس وقت جاتے ہوئے یہ خیال نہیں آیا تھا۔"

"پھر؟"

"پھر آتے وقت پتہ چلا....."

"کیا پتہ لگا؟"

"اِٹ از ٹیریبل....."

آہستہ آہستہ شیریں نے بتایا کہ آتی دفعہ اس نے ایک ٹرک میں لفٹ لی تھی، اور جب کافی اندھیرا ہو گیا، ان میں سے ایک آگے سے اٹھ کر پیچھے اس کے پاس آ بیٹھا، اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ کسی وقت بھی کچھ کہہ سکتا تھا.... پھر انہوں نے ٹرک روک لیا، ایک جگہ پر کچھ دوکانیں تھیں، وہ اتر کر ایک دوکان کی طرف گیا، وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ شراب لینے کے لیئے گیا تھا.... وہ ٹرک میں سے اُتر گئی۔ اس وقت اس کو اصلی خطرے کا احساس ہوا تھا۔ وہ بالکل سنسان جگہ نہیں تھی، بس یہی اس کو حوصلہ تھا۔ ایک چائے کی دوکان پر کچھ بھیڑ تھی، وہ وہاں جا کھڑی ہوئی..... دوبارہ ٹرک میں بیٹھنے سے انکار کر دیا.....

سُن کر غصہ آ رہا تھا۔ کیا کہہ سکتا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی، "آج زندہ آ گئی ہوں، یہ بات کیوں نہیں سوچتے؟"

"اگر کچھ ہو جاتا؟" مجھے روڑی کی طرح یہ بات چبھ رہی تھی۔

"جب پھر ایک کار میں لفٹ لی، میں اس وقت بھی کانپ رہی تھی، ابھی تک کانپ رہی ہوں۔ مگر اب اس بات کو بھول جاؤ...."

"ایک وعدے پر۔"

"کیا؟"

"آئندہ کبھی ایسا نہیں کرو گی۔"

"نہیں کروں گی۔"

"مگر یہ تم کیا کیا ۔ ۔ ۔ ۔" مجھ سے ابھی تک یہی بات پوچھی جا رہی تھی۔

"ایک دفعہ تم نے کہا تھا ـــــ کم بیک ٹو دی ارتھ ۔ ۔ ۔ ۔"

"مگر اُس بات کا اِس بات سے کیا تعلق؟"

"ہنگر اور ہارڈشپ دیکھنا چاہتی تھی۔"

میں خاموش ہو گیا۔ دھرتی پر اترنے کا مطلب اس نے کتنا سادہ سا نکالا تھا ٹ
بھوک اور تھکاوٹ۔

اس نے کچھ ٹھہر کر، معلوم نہیں کیوں پوچھا ـــــ "اچھا اگر مجھے کچھ ہو جاتا، میں ہسپتال میں پڑی ہوتی، تمہیں معلوم ہوتا، تو تم مجھے دیکھنے آتے یا نہیں؟"

عجیب پاگل سوال تھا۔

میں کچھ دیر خاموش رہا، اس نے پھر یہی سوال دہرایا۔

"ہاں آتا، تم جہنم میں ہوتی، پھر بھی آتا،" غصے سے میرے منہ سے نکلا۔

مگر میرے اس جواب سے وہ خوش تھی۔ اس نے پھر کوئی سوال نہیں پوچھا۔

مجھے نہیں معلوم میں نے یہ جواب کیوں دیا تھا۔

اس دن اتوار تھا۔ کالج چھٹی تھی۔ ہم تمام جس طرح پہلے نزدیکی چائے کی دوکان پر جاتے تھے، اس دن بھی گئے۔ اس دن فرق صرف یہ تھا کہ شیریں ہمارے ساتھ تھی۔

اس دن ہم نے چائے پینے کے بعد، بازار میں سے ایک سٹوو خریدا، ایک کیتلی اور چائے کی پتی بھی خریدی۔ یہ شیریں کا کہنا تھا کہ حویلی میں کم از کم چائے بنانے

کا کچھ سامان ضرور ہونا چاہیئے۔

دوپہر تک کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ سب کچھ معمول کے مطابق لگ رہا تھا شیریں، اشوک اور روبی کی طرح ایک اور دوست معلوم ہو رہی تھی۔

اس دن دوپہر کا کھانا ہم سب نے اکٹھے کھایا تھا۔ صرف اس کے بعد میں نے کہا تھا ــــ مائی ڈیئر! اب تم ہوسٹل جاؤ گی؟

اس وقت وہ خاموش رہی تھی۔ صرف جاتے وقت جب میں اسے باہر تک چھوڑنے گیا تھا، اس نے کہا تھا ــــ آئی ہوپ یو وِل آلویز بی مائی فرینڈ..... از نٹ اٹ؟

"یو نو دی آنسر....." یہ بات صرف جواب کی خاطر نہیں کہی تھی۔ بالکل اسی طرح محسوس کی تھی۔

اس وقت مجھے یہ بھی محسوس ہوا تھا ــــ اشوک یا روبی کو، یا کسی کو بھی، میں جتنے بھی معنوں میں دوست کہتا تھا، یہ شیریں اس سے کہیں معنوں میں زیادہ تھی

"یو نو آئی فیل ویری لونلی، آئی ایم آلون ان دی ورلڈ...." اس نے آہستہ سے باہر کی باڑ کے پاس کھڑے ہو کر کہا تھا۔

پہلے میں نے ہنس کر، اس کی اس بات کو، کچھ ٹال دیا تھا، اچھا تھوڑی تھوڑی دوستی میرے پاس جمع کرتے جاؤ، ضرورت پڑنے پر لے لینا...."

"سیونگ اکاؤنٹ کی طرح؟"

مجھے اس کا جواب اچھا لگا۔ اس میں سنس آف ہیومر تھا۔

"ہاں سیونگ اکاؤنٹ کی طرح" میں نے کہا۔

"پتہ ہے سیونگ اکاؤنٹ میں سود بھی ملتا ہے؟ اصل رقم میری، اگر سود تمہیں دینا پڑے گا" اس نے جواب دیا۔

"او مائی گاڈ! مجھے سود دینا پڑے گا؟ پھر یوں کرو کرنٹ اکاؤنٹ کھلوا لو...."

"کرنٹ اکاؤنٹ؟"

"رقم اس میں بھی محفوظ ہوتی ہے، صرف اس میں سود نہیں ملتا، بلکہ الٹا اس میں سے کچھ بینک لیتا ہے.... رقم والے کو رقم میں سے کچھ کٹانا پڑتا ہے۔"

"رقم بھی میری، اور کٹواؤں بھی میں؟"

"بہت معمولی سا کٹانا پڑتا ہے، وہ بینک کی اجرت ہوتی ہے، رقم کو حفاظت سے رکھنے کے لیئے....."

"تو میری دولت محفوظ رہے گی؟"

"یہ بینک کی گارنٹی۔"

"چاہے جب مرضی نکلواؤں؟"

"جب دل کرے۔"

"چاہے دس سال بعد؟"

"دس.... بیس.... چاہے پچاس برس بعد...."

"اور بینک اجرت کیا لے گا؟"

"بہت معمولی.... صرف مہینے میں ایک آدھی کس...."

"یو آر اے رئیل ڈیول...."

اس کی سینس آف ہیومر کو مان گیا تھا، مگر محسوس ہوا' وہ پھر کچھ سیریس سی ہوتی جا رہی تھی۔

"بس تم سیریس نہ ہوا کرو" مجھے کہنا پڑا۔

"مگر تم سیریس ہونے سے گھبراتے کیوں ہو؟"

شیریں ٹھیک کہہ رہی تھی، مجھے علم تھا میں ہر اس بات سے گھبراتا تھا' جو سیریس لفظ کی طرف ذرا سی بھی مڑتی معلوم ہوتی تھی۔

مجھے لڑکیاں اچھی لگتی تھیں۔ صرف شیریں ہی نہیں، اور بھی لڑکیاں اچھی لگتی تھیں، مگر اندرونی طور پر یہ احساس تھا کہ ان کے بہت نزدیک جا کر بھی، تھوڑا سا دور کھڑا ہو جاتا تھا۔ یا یہ ——— کہ کچھ دور کھڑا ہو جانا چاہیئے تھا۔ جیسے آگے کہیں کوئی خطرہ ہو.....

سکول کے دنوں میں بھی، میرے ساتھ پڑھتی لڑکیوں میں سے، کچھ اچھی لگتی تھیں۔ مگر یہ اچھا لگنا ——— صرف مذاق کے اچھے فقروں تک ہی محدود رہتا تھا، اس سے زیادہ میرے مزاج میں شامل نہیں تھا۔

میں نے کبھی کسی کو کہا نہیں تھا ——— مگر میرے اندر اکیلا پن کا عجیب احساس تھا۔ عجیب سے میرا مطلب ہے، وہ نہیں، جس کے ساتھ اکیلا پن توڑنے کو دل کرے، بلکہ اس طرح کا، کہ کہیں میرا یہ اکیلا پن کل کو ٹوٹ نہ جائے۔

اکیلا پن جس طرح میں تھا، میرا اپنا آپ۔

شیریں کا اکیلا پن میرے اکیلے پن کی طرح نہیں تھا۔ مگر اس میں اس کو پہچانے والی سمجھ ضرور تھی۔ پوچھنے لگی ——— "کیوں میرا سوال ٹھیک نہیں؟ تم سیریس بات

سے نہیں، میر یہیں لفظ سے بھی بھڑک جاتے ہو۔"
مجھے علم تھا شیریں ٹھیک کہہ رہی ہے۔
میں کچھ دیر خاموش رہا۔ صرف شیریں کی طرف دیکھتا رہا۔
"سینس آف اِن سیکوریٹی، آئی سپوز" مجھے علم تھا، میں یہ لفظ اپنے خلاف کہہ رہا تھا، اگر یہ لفظ زبان پر آ ہی گئے تھے، تو ان کو دوبارہ حلق میں اتارنا نہیں چاہتا تھا۔
شیریں ہنس پڑی، اور کہنے لگی ——— آئی ڈونٹ تھنک سو۔
شیریں پر غصہ آیا ——— تو میں ہی اپنے خلاف تھا اُس کو میرے حق میں ہونے کا کیا اختیار تھا؟
"اس میں نہ ماننے والی کون سی بات ہے؟" مجھے پوچھنا پڑا۔
"یہ، کہ جتنی دیر کسی کو اپنے آپ پر پورا کانفیڈینس نہ ہو، وہ اس طرح کی بات نہیں سوچ سکتا۔ سوچ بھی لے تو کہہ نہیں سکتا۔" اس نے جواب دیا۔
اس کی بات میں دلیل تھی اگر ایک دلیل کو دوسری دلیل سے کاٹا جا سکتا ہے اس لیے کہا ——— اے میڈ اینڈ اے جینئس ہیو اے مینی تھنگز ان کامن۔
شیریں نے میری بات یوں سُنی، جیسے ہنسنے والی نہ ہو، سنجیدگی سے سوچنے والی ہو۔ پھر پوچھنے لگی ——— تمہارا کیا خیال ہے کہ تم میڈ ہو یا جینئس؟
"میرا خیال ہے، تھوڑا تھوڑا دونوں ہوں" میں نے کہا۔
"آئی اینگری" شیریں نے کہا، تو مجھے محسوس ہوا کہ میں کچھ حیران ہوا تھا۔ شاید میں اس جواب کی امید نہیں کرتا تھا۔ وہی پھر کہنے لگی، "اٹ اِز اے گڈ

کمپینیشن ۔"

میں چاہتا تو بات کو ہنسی کا رنگ دے کر ختم کر سکتا تھا، مگر ختم نہیں کیا۔ دل میں کچھ ضد سی آ گئی تھی کہ آج شیریں کو کچھ پریشان کروں گا۔ اس لیے بات کا موڑ بدلا، اور کہا ـــــ اصل میں میری زندگی کے کچھ ایسے حادثے ہیں، تم ان کا علم نہیں۔ علم ہو تو شاید تمہیں یہ بات رومانٹک نہ لگے۔

"ہو سکتا ہے پھر بھی رومانٹک لگے۔ رومانس چیزوں میں نہیں ہوتا۔ چیزوں کو دیکھنے کی اداؤں میں ہوتا ہے۔" معلوم ہوتا تھا، آج شیریں کسی طرح کی ہار نہیں ـــ مانے گی۔

میں نے یہ سوچا تھا کہ بات کو سیریس کا موڑ دے کر چھوڑ دوں گا۔ شیریں حادثوں کی بات پوچھے گی، تو تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ بس اس میں خوف کا احساس پیدا کر کے، بات ختم کر دوں گا۔ مگر اس نے سوال کو میری امید کے مطابق نہیں دہرایا تھا۔ اس لیے کہنا پڑا ـــــ اصل میں بچپن کے دنوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ان دنوں میں اگر کوئی ان سیکیورٹی سی محسوس کرے، تو وہ بڑا ہو کر بھی کرتا رہتا ہے . . ."

شیریں نے کچھ نہیں کہا، صرف ہونٹوں میں سر ہلایا۔

میں نے اس کو جو کچھ بتایا، یہ پہلی دفعہ تھا، جب میں نے اپنے منہ سے کسی کو بتایا، میں بہت چھوٹا تھا، جب میری ماں اور میرا باپ الگ الگ رہنے لگے۔

"وہ بہت لڑتے تھے؟" شیریں نے شاید پورا فقرہ بھی نہیں سنا تھا کہ پوچھا۔

"میں نے ان کو آج تک لڑتے ہوئے نہیں دیکھا، میرا خیال ہے ان میں سے کسی کو بھی لڑنا نہیں آتا —— بوتھ آر ویری سافٹ سپیکنگ۔"

"دین وٹ از رانگ ود یو؟"

شیریں کا سوال عجیب تھا، اس کے لیئے جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔

میں خاموش تھا، اس لیئے اس نے کہا —— تیری جگہ اگر میں ہوتی، مجھے زندگی سے کوئی شکوہ نہ ہوتا۔

جواب میں اور کیا کہہ سکتا تھا، یہی کہا —— اچھا، تم میری جگہ ہو کر دیکھ لو۔ یہ دلیری اتنی دلیر ہی ہوتی ہے، جتنی دیر تک یہ جگہ دیکھی نہ ہو۔

وہ ہنس پڑی۔ کہنے لگی —— "تمہیں کیا علم کہ میں نے کتنی دفعہ خدا کے آگے دعا مانگی ہو گی اس جگہ پر ہونے کے لیئے۔ بہت چھوٹی تھی جب سے سوچنے لگی تھی کہ میرے ماں باپ، اگر ایک دوسرے کی شکل برداشت نہیں کر سکتے، تو پھر خدا کی مار، وہ اکھٹے کیوں رہتے ہیں؟ میں نے ماں کو جب بھی دیکھا ہے، روتی ہوئی کو دیکھا ہے۔ تم نے کبھی ماں کو تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے دیکھا ہے؟"

"نہیں" میں نے سچ مچ کبھی نہیں دیکھا، اس لیئے یہ کہہ سکتا ہوں۔

"تم نے باپ کو، ماں کے سامنے، ایک اور عورت لاتے دیکھا ہے؟"

"نہیں . . . ."

میں محسوس ہوا کہ شیریں اب چیخ کر رو پڑے گی۔ مگر وہ روئی نہیں — اُس نے صرف یہ کہا —— "یو ڈونٹ نو ہاؤ ڈسگسٹنگ اٹ از . . . ."

میں نے شیریں کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس سے زیادہ نہیں، صرف

ہاتھ رکھا۔ پہلے کئی دفعہ ڈانس کرتے ہوئے میں نے اس کے ہونٹ چومے تھے، آج اور کچھ نہیں، صرف اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، مگر مجھے یوں ہوا، کہ آج جتنی نزدیکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

پیٹریں نے ذرا سی اپنی گردن جھکائی، اپنے اس کندھے کی طرف، جہاں میرا ہاتھ تھا اور اپنے سر کا ایک حصہ میری ہتھیلی کے ساتھ لگا دیا۔

"وی وِل بی فرینڈز ... آلویز ..." میں نے کہا، تو مجھے محسوس ہوا —— یہ لفظ میں اپنے منہ سے پہلی دفعہ سُننے تھے۔ کسی کے لئے بھی، پہلی دفعہ سُننے تھے۔

"اقرار؟"

"اقرار۔"

"ایک اقرار اور۔"

"کیا؟"

"دیٹ یو وِل نیور کِس می۔"

اس کا سر ابھی بھی میری ہتھیلی کے ساتھ لگا ہوا تھا، ایک اعتماد کے ساتھ۔ اور شاید یہ اقرار مانگنے کی ضرورت بھی اسی اعتماد میں سے آئی تھی، میں نے جواب دیا، "اچھا یہ اقرار بھی۔"

میں نے اس اقرار کی وجہ نہیں پوچھی۔ اس نے ہی پھر کہا —— آئی وِل ہیو ٹو میری دیٹ فیلو ... اینڈ آئی وانٹ ٹو بی فیتھ فل ٹو ہِم ...

"آئی انڈرسٹینڈ، میں نے کہہ دیا، مگر محسوس ہوا یہ کہنے کی ضرورت نہیں

تھی۔ اس کو مجھ پر مجھ سے بھی زیادہ اعتماد تھا۔

صرف جب وہ جانے لگی ـــــ ساری بات کو عام بات میں بدلنا ضروری لگا۔ کیونکہ اس نے جاتی دفعہ بھیگی آنکھوں سے دیکھا تھا، جیسے وہ اپنے مانگے ہوئے اقرار پر بہت زیادہ خوش نہ ہو۔

کہا ـــ " بی شور دیٹ آئی ویل بی یور لیبمیٹی موسٹ فرینڈ۔"

" کیا مطلب ؟"

" یہی کہ اقرار پورا کروں گا، اگر پورا نہیں کروں گا، تو ایل لیبمیٹی میٹ دوست ہو جاؤں گا۔ ۔ ۔"

دوست بھی قانونی اور غیر قانونی ہو سکتا ہے۔ اس بات پر وہ یوں ہنسی، کہ سچ مچ وہ عام حالت پر واپس آگئی۔



"فش پونڈ" گیم چل رہی تھی۔

یونیورسٹی کے ہال میں ہم تقریباً پچیس سٹوڈنٹس بیٹھے ہوئے تھے، لڑکیوں میں سے زیادہ تر آرٹ کلاسوں کی تھیں، لڑکوں میں سے زیادہ آرکیٹیکچر کے اور انجینئرنگ کے سٹوڈنٹ تھے۔ گمنام پرچیاں اسٹیج پر بھیجی جارہی تھیں، اور پھر ایک ایک کا نام لے کر ایک ایک مذاق اسٹیج پر سے اناؤنس ہو رہا تھا۔ موٹی سُوراج کے آنسو نکل آئے جس وقت اسٹیج پر سے کہا گیا، "سُوراج بڑی بہادر لڑکی ہے، کسی چیز سے نہیں ڈرتی، صرف اپنی پرچھائیں سے کبھی ڈر جاتی ہے، کیونکہ اس کو پرچھائیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے، جیسے ایک جن اس کا پیچھا کر رہا ہو۔"

مادھُر رانا، نیپالی لڑکے کا منہ سُرخ ہو گیا تھا، جس وقت اسٹیج پر سے

کہا گیا "اگر ماٹی رانا ایک لڑکی کے ساتھ ایک بنچ پر بیٹھا ہو، بجلی فیل ہو جائے تو امید ہے ماٹی رانا سارا وقت فیوز کی تار ڈھونڈنے میں لگا دے گا۔"

راج گوئیل کا رنگ بہت سفید تھا، مگر تمام نقش بے ترتیب۔ اس کا منہ بہت ہی لال ہو گیا تھا، جس وقت اسٹیج پر سے کہا گیا "ہم راج گوئیل کو جیپ کے حادثے میں سے بچنے کی مبارک دیتے ہیں، اس کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے اس حادثے میں سے اور کوئی نہیں بچا ہو گا، شکل سے صرف وہی بچا ہو گا۔"

تارا چودھری کے دانت اونچے نیچے تھے۔ دانتوں کو ایک ترتیب میں دینے کے لیئے اس نے ڈاکٹر سے تار لگوائی تھی۔ سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا جس وقت اسٹیج پر سے کہا گیا:

"ٹیلیگرام کمانڈمینٹس آل بروکن۔"

کئی مذاق واقعی چست تھے۔ میرے بارے بھی تھا، میری گٹار بادے کریں نے ایک نیا راگ ایجاد کیا ہے، جس کا نام ہے "راگ سائیلنس" اور معلوم ہوا ہے کہ لڑکیوں کو یہ راگ بڑا پسند آیا ہے۔

رکی میرے بائیں ہاتھ بیٹھی ہوئی تھی، اس کو زیادہ نہیں جانتا تھا، مگر جس وقت اس کا نام لے کر ایک مذاق کیا گیا، اس دانتوں سے نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے گھبرا کر میرا بازو تھام لیا۔ میرے خیال میں یہ مذاق خوبصورت بھی تھا، چست بھی، سنا ہوا تھا کہ رکی کے ماں باپ بہت سخت طبیعت کے مالک ہیں، ہر بات حکم کے انداز میں کہتے ہیں، اس لیئے رکی کو ایک نئے نام کا خطاب دیا گیا تھا: "مس کر بجلس" اور رکی گھبرا گئی تھی کہ اگر یہ بات اس کے ماں باپ تک پہنچ گی ....

معلوم نہیں اس گیم کا نام "فش پونڈ" کس نے رکھا تھا، ہر ایک ایک مذاق سے کانٹے میں پھنسا ہوا مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مجھے اس گیم میں کبھی بھی زیادہ دلچسپی نہیں ہوئی، کسی سے بارے میں نے کبھی کوئی گمنام چٹ لکھ کر نہیں بھیجی، یعنی ہاتھ میں کوئی کانٹا یا ڈور نہیں پکڑی۔ مگر جب کسی نے ملائم اور ٹھنڈی سی انگلیوں سے میرا ہاتھ پکڑ لیا، تو مجھے محسوس ہوا ایک سنہری مچھلی میری ہتھیلی پر آگئی ہے۔

ہاتھ میں ایک عام سی حرکت آنے لگی تھی، اس کا ہاتھ دبانے کی، یا آہستہ سے پکڑ لینے کی، مگر نہیں آئی۔ میں نے روک لی تھی۔ محسوس ہوا تھا — میرا ہاتھ اس کانٹے کی طرح ہو جائے گا، جو ایک مچھلی کو پھانس رہا ہو، یہ مجھے منظور نہیں تھا۔ میں اس کو اس کے آزاد روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس سے میرا مطلب اس مچھلی سے ہے۔

اور یوں آرام سے پڑا ہوا میرا ہاتھ مجھے تالاب کا ہی ایک حصہ محسوس ہوا، پانی میں پڑا ہوا پانی کا حصہ۔ جہاں وہ مچھلی آنے کے لئے بھی آزاد تھی، اور جانے کے لئے بھی۔

وہ اس دن کی نہیں، اس کے کئی دن بعد کی بات ہے، مس کرملن آئی تھی۔

معلوم نہیں، ہماری حویلی کا ایک نام کس طرح مشہور ہو گیا تھا 'شانتی بھون' پتہ نہیں پہلے اس کا کس کو خیال آیا تھا، پھر کس نے کس کو کہا تھا، مگر پھر سارے ہی اس جگہ کو اس نام سے پکارنے لگے تھے۔ ایک شام مس کرملن، اسی شانتی

بھون میں آگئی تھی۔

"سوشلائزیشن کے لیئے آئی ہوں" مجھے دیکھ کر اس نے سب سے پہلی بات یہی کی تھی۔ حالانکہ وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ اس کی دو سہیلیاں بھی تھیں، پھر بھی اس نے یہ کہا تھا۔

میں شاید خاموش رہا تھا، اس نے ہی دوبارہ کہا تھا —— ڈونٹ یو ویلکم دی آئیڈیا؟

"پرانے زمانے میں دہلیزوں پر تیل ٹپکایا کرتے تھے" میں ہنس دیا تھا، اور کہا تھا "یہ ویلکم کی نشانی ہوتی تھی، تم کہو تو تیل ٹپکا دوں، تمہارے لیئے نہیں، تمہارے آئیڈیا کے لیئے۔"

اس دن میں نے اس کو پہلی دفعہ خوب ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

"آئی وانٹ ٹو لسن ٹو منکیز" اس نے کہا، اور میں نے ہال میں منکی گیت کا ایک ریکارڈ لگا دیا۔ گیت میں نے اپنی پسند کا لگایا تھا "لو از انڈرسٹینڈنگ ..."، مگر یہی گیت، اس نے بتایا اس کو بھی پسند تھا۔

اِن دِس لووِنگ ٹائم

وُڈنٹ وِل میک دی ورلڈ ٹو شائن

اور اگلے لمحہ ہم نے دیکھا —— ہم سارے ڈانس کر رہے تھے۔

"تمہیں علم ہے تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں" اس نے ڈانس کرتے ہوئے کہا تھا۔

مجھے علم نہیں تھا، وہ کیا کہنا چاہتی ہے، اس لیئے خاموش رہا تھا۔

اس نے تفصیل کے ساتھ کہا تھا "مو بیلیٹی دو طرح کے ریلیشن شپ سے بنتی ہے۔ ایک ریلیشن اتھارٹی کے ساتھ ہوتا ہے، ماں باپ کے ساتھ ایز بیئرر ایبسولیوٹ، اور بی یونڈ کمپری اینشن ...."

اب مجھے اس کی باتیں دلچسپ معلوم ہونے لگی تھی۔ ریکارڈ بہت نزدیک بج رہا تھا، مگر محسوس ہوا وہ دور بیک گراؤنڈ میں ہو گیا تھا، اور اس کی آواز آگے میرے نزدیک ہو گئی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی "اور دوسرا ریلیشن شپ ہوتا ہے ایکویلز کے ساتھ۔ اس میں میٹیک پیسیر پراپٹی نہیں ہوتی، اٹ از کیپبل آف ماڈی فیکیشن، ایکارڈنگ ٹو دی نیڈز آف پارٹی سپیٹس ...."

"یو انڈر سٹینڈ سو مچ ...." میں کہہ رہا تھا، اس نے بات توڑی "مگر میرے سمجھنے سے کیا ہو گا میرے ماں باپ نہیں سمجھتے، حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ یہ بچے کی سوشلائزیشن کے لیئے دونوں اکیسٹریملی ایمپارٹنٹ ہوتے ہیں۔ تمہیں علم ہے آج میں جھوٹ بول کر یہاں آئی ہوں ...."

مِس کریلین کے ماں باپ کو میں نے نہیں دیکھا تھا، مگر ان کے بارے میں سُنا ہوا تھا۔ اور اب وہ خود بتا رہی تھی "میری عمر کے کسی کو بھی وہ ملنے نہیں دیتے" اس کی کمی وہ چیزوں سے پوری کرتے ہیں ...."

"چیزوں سے؟ کیا مطلب؟" میں نے پوچھا تھا۔

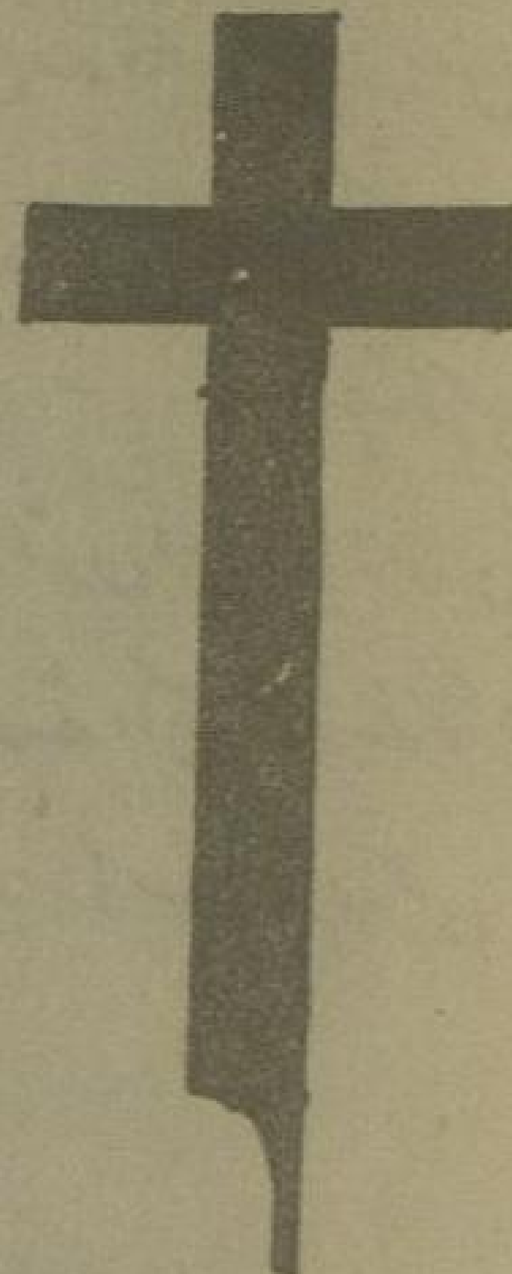
"ٹھنڈی برف چیزوں سے .... مثلاً سبز سلک کے شوٹ سے، نارن کوٹ سے یا گرمیوں میں کسی پہاڑ پرلے جا کر ...." وہ ہنس رہی تھی۔

اس طرح کی گرم ہنسی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"آج میں یہ کہہ کر آئی تھی کہ کالج میں ایکسٹرا کلاس لگی ہے۔۔۔۔" جاتی دفعہ اس نے بتایا، اور کہا "تم میرے لیئے ایک جھوٹ بولو گے؟ شاید ضرورت نہ پڑے، مگر اگر پڑی۔۔۔۔۔"

"تم یہاں نہیں آئی تھی۔۔۔۔ میں تمہیں نہیں جانتا۔۔۔۔ میں نے تمہیں کبھی دیکھا بھی نہیں۔۔۔۔ میں نے تمہارا نام بھی نہیں سُنا ہوا۔۔۔ یہی ناں؟" میں کہہ رہا تھا اور ہنس رہا تھا۔

"مِس کریلین از انڈر ہاؤس اریسٹ"۔۔۔ یہ خبر تیسرے دن اس کی سہیلی سے مِلی تھی۔



ہیرو کے ساتھ میرے ہاتھوں ایک بے انصافی ہوئی تھی۔

ایک دفعہ، بہت دن پہلے کی بات ہے، اس کے منہ سے ایک فقرہ نکلا —— "ہم سب ایک خدا کی مخلوق ہیں۔"

میرا خیال ہے ان دنوں وہ اس طرح کی کتاب پڑھ رہا تھا، جس سے متاثر ہو کر اس نے یہ کہا تھا۔ ہم سب کو علم تھا کہ جن دنوں وہ جس طرح کی کتاب پڑھ رہا ہو، اسی طرح کی سوچ میں ڈھل جاتا تھا۔

اپنی پہچان وہ اسی طرح ڈھونڈتا تھا —— مہاتما بدھ پڑھ رہا تھا، تو وہ کسی کرسی پر بھی وہ یوں خاموش اور آہستہ سے بیٹھتا تھا، جیسے بودھی رُکھ کے نیچے بیٹھا ہو۔ ایک دفعہ کسی نے اس کو کہہ دیا کہ اس کی صورت ہالی وڈ کے ایکٹر مارلن برانڈو سے ملتی ہے۔ ان دنوں اس کی ہر حرکت دیکھنے کے لائق تھی، وہ بڑے سٹائل میں

کھڑا ہوتا اور آہستہ سے سر ہلاتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی بحث میں گرم ہو کر اس کے ایک دوست نے اس کو تھپڑ مارا تھا، اور یہ تھپڑ بھی اس نے خاص ایک اس طرح کے انداز کے ساتھ کھایا تھا، جس طرح کے انداز میں اس نے اس ایکٹر کو ایک فلم میں تھپڑ کھاتے دیکھا تھا۔ اور میرا خیال ہے —— اسی اپنے آپ کو کسی نہ کسی کے ساتھ آئی ڈینٹی فائی کرنے کے اپنے مزاج کے ہاتھوں اس نے امتحان کے ایک پرچے میں، ایک پرندے کے پنجرہ کا نقشہ بناتے ہوئے، ایک سونے کا کمرہ اور ایک غسلخانہ بھی بنا دیا تھا۔ وہ اس دن اپنے دل میں اپنے آپ کو ضرور کسی چڑیا یا طوطے کے ساتھ آئی ڈینٹی فائی کر رہا ہو گا۔

یہ پنجرے اور غسلخانے والی بات ان دنوں ہی ہوئی تھی۔

میں مذاق کے موڈ میں تھا۔ اس نے جب کہا —— ہم سب خدا کے بیٹے ہیں، اور میں نے کہہ دیا تھا، "ہم سب نہیں ہم میں سے کچھ خدا کے ایڈاپٹڈ بیٹے بھی ہیں۔ بات یہ تھی کہ خدا کے اپنے بہت سارے بیٹے تھے، مگر تمام بہت ذہین نہیں تھے، اس لیے خدا نے بہت ذہین بچے چن کر، اپنے بیٹے بنا لیے، مثلاً —— تم۔۔۔"

یہ بات اتنی پھیل گئی کہ ہیرو کا نام مشہور ہو گیا —— ایڈاپٹڈ سن آف گاڈ۔

مگر کچھ ہی دنوں بعد مجھے محسوس ہونے لگا، کہ میں نے اس کے ساتھ بے انصافی کی تھی۔ لڑکے اس کو ڈرنے والا کر دیتے تھے۔ پھر جب تنویر والا حادثہ ہوا، یہ ہیرو وہی تھا، جس نے تنویر کو پروفیسر کی سازش بتائی تھی (چاہے گھبراہٹ میں بتائی تھی) میرے دل میں اس کے نام کے ساتھ چلائے گئے مذاق کا بوجھ سا پڑ گیا۔ اس مذاق کا قرض اتارنے کے لیے میں اس کا دوست بن گیا۔ (یہ دوستی لفظ صرف اتنے ہی معنوں میں ہے کہ اور

کوئی لڑکا کبھی افسردہ ہو کر اس کی بات نہیں سنتا تھا، مگر میں نے اس کی ہر بات بڑی سننی شروع کی، جس طرح واقعی وہ سننے والی ہو، میری اس کوشش کو میری بڑائی نہیں کہا جا سکتا، چاہے اس میں ایک بناوٹ ضرور شامل تھی۔ مگر یہ بناوٹ نیک نیت تھی۔

مگر اس کی ضرورت بھی اتنی سی تھی، کہ اگر کوئی اس کی بات کو غور سے سنے، سنجیدگی سے، کم از کم اس کی ہنسی نہ اڑائے۔ اور اتنا میں نے کر لیا تھا۔ مگر ایک دن کمبخت کے ہاتھ کہیں سے مسمریزم کی کتاب آ گئی۔ پڑھتا رہا، اور اپنے مزاج کے مطابق کتاب کے بغیر دوسرے ساتھ اپنے آپ کو ایڈیپٹ ناٹی کر لیا، اور سوچنے لگا کہ وہ بھی چاہے تو کسی کو بھی مسمریزم کے اثر سے جکڑ سکتا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ یہ تجربہ کس پر کرے؟ کوئی بھی تیار نہ تھا۔

"آئی ایم رئیلی ڈیسپریٹ....." ایک دن اس نے میرے پاس آ کر اس طرح کہا، کہ مجھے کہنا پڑا ـــــ "اچھا تم مجھ پر تجربہ کر لو۔"

"میں جتنی دیر کہوں گا، تم میرے سامنے بیٹھو گے؟"

"بیٹھوں گا۔"

"میں تمہاری طرف سٹیئر کروں گا....."

"کرتے رہنا۔"

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب پھر دیکھی، کئی صفحے پھر پڑھے، اور پھر مجھے سامنے بٹھا کر اس نے اپنا تجربہ شروع کر دیا۔

میں آرام سے بیٹھا رہا۔ جس طرح وہ کہہ رہا تھا، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے آنکھیں جھپکانے کی اجازت تھی، اس لئے میں آرام سے آنکھیں جھپکا لیتا رہا، مگر

اس نے فوراً آنکھیں نہیں جھپکائیں تھیں، کیونکہ کتاب میں یہ لکھا ہوا تھا، اس لیئے وہ مسلسل آنکھیں کھول کر، اور گھور کر مجھے دیکھتا رہا . . .

مائی گاڈ! بے چارے کی بڑی حالت ہو رہی تھی، آنکھیں تھک کر سُرخ ہو رہی تھیں، اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

"تمہیں کچھ ہو رہا ہے؟" کسی کسی وقت وہ مجھے پوچھ لیتا۔

"نہیں" بس کہہ دیتا۔ کسی وقت ہنس دیتا۔

ایک دفعہ خیال آیا ــــ اس کا حوصلہ رکھنے کے لیئے پوری ایکٹنگ شروع کر دوں مگر محسوس ہوا ــــ یہ کہیں اس کے دل میں کہیں ایسی بھول ہی نہ ڈال دے، کہ اس کا دل ہمیشہ کے لیئے ایسے تجربوں میں لگ جائے۔ اس لیئے نہیں کہا۔

یہ علم تھا کہ اگر وہ اس تجربے وہ کامیاب نہ ہوا، تو اس کو کچھ دن اس کی تکلیف ہو گی، مگر اس نے جب اس کتاب کا دھیان چھوڑ دیا، یہ پیکٹ ہی اس کو بھول جائے گا۔

پھر کوئی نئی کتاب ــ نیا ہیرو، اور نئی آئی ڈینٹی فی کیشن . . . . . .

ہیرو کی خیر تھی ــ مگر کوئی کسی لڑکی کا کیا کرے، جس کو اپنے ڈریم برائڈ کی شکل کسی میں نظر آنے لگے . . . .

ہنس کر پملی کی بات سوچتا تھا ــــ تو محسوس ہوتا تھا، جیسے میں کوئی کتاب درمیان میں سے پڑھنی شروع کی ہو، اور مجھے اس کی کچھ سمجھ نہ آ رہی ہو . . . . وہ بڑی ذہین لڑکی تھی۔ میں اس کا مقابلہ ہیرو سے نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر پھر بھی بار بار یہی محسوس ہوتا تھا ــــ اس نے ہیرو کی عادت کی طرح، اپنے آپ کو جولیٹ کے ساتھ آئی ڈینٹی فائی

کر لیا تھا، اور مجھے رومیو کے ساتھ ... صرف یہ معلوم نہیں ہوتا تھا، کہ کتنی دیر کے لیے! .....

رومیو اور جولیٹ، دو دشمن گھرانوں کے بچے تھے، اگر میں اور اس کو ملیں۔ میرا خیال ہے میں اس کے اصلی نام کے ساتھ ہی اس کی بات کروں — میں اور لڑکی دونوں واقف گھرانوں کے بچے تھے، نہ دوستی کا سوال تھا، نہ دشمنی کا۔ مگر معلوم نہیں کس طرح لڑکی کے شانتی بھون میں آنے والی بات اس کے ماں باپ تک پہنچ گئی تھی، اور چاہے شانتی بھون میں جیسے میں تھا، ویسے ونود، اور اشوک تھے، اور ہم تینوں کے علاوہ وہ بھی اور کتنے ہی، شام تک وہاں رہنے والے اکثر لڑکے تھے، مگر لڑکی کے ماں باپ کو میرا نام غور طلب محسوس ہوا تھا۔

تو میں، جو رومیو نہیں تھا، رومیو چن لیا گیا تھا۔ لڑکی کی طرف سے بھی، اور اس کے ماں باپ کی طرف سے بھی۔ صرف فرق یہ تھا، کہ لڑکی کی طرف سے یہ انتخاب تھا — روایتی دوستی کی شکل میں۔

دوستی روایتی ہوتی ہے، صرف دشمنی کو پہلی دفعہ روایتی دیکھ رہا تھا محسوس ہو رہا تھا — کہ اگر رومیو اور جولیٹ دو گھرانوں کی دشمنی ایک تاریخی حادثہ تھا، تو لڑکی کے ماں باپ کی نظر میں، ایسی ہر وقت دشمنی کا ہونا ایک روایت تھا۔ تو میں، میرا نام، میرا وجود، اس روایتی دشمنی کا نشانہ تھے۔ لڑکی کے ماں باپ کی طرف سے مجھے تحریری پیغام بھیجا تھا کہ میں لڑکی کو اس جنم میں ملنے کی کوشش نہ کروں۔ معلوم نہیں "اس جنم" لفظ استعمال کرنے کے لئے انہیں کس طرح ضرورت پڑی تھی؟

"شاید اس لیے کہ ان کو یہ یقین نہ ہو کہ شاید وہ اگلے جنم میں میرے ماں باپ ہوں گے یا کہ نہیں ....." ایک دن خود رکی نے میرے اس سوال کا جواب مجھے دیا تھا۔

کمبخت بلنس رہی تھی۔

اس تمام ٹریٹمنٹ کے باوجود وہ پھر ایک دن شانتی بھون میں آگئی تھی۔ اپنے 'ہاؤس اریسٹ' کی باتیں بھی سنا رہی تھی، اور ہنس رہی تھی۔

شانتی بھون مجھے بجلی کے اس کھمبے کی طرح معلوم ہو رہا تھا، جس کے اوپر ہیں' خطرے کے الارم کی ٹن پلیٹ کی طرح ایک بھیانک کھوپڑی کی شکل میں ہو رہا ....

یہ میری نظر میں نہیں تھا، رکی کی ماں باپ کی نظر میں تھا، مگر ٹن پلیٹ کی شکل والا اپنا روپ مجھے سمت ناپسند تھا۔ اس لیئے رکی کو کہا "مگر تم یہ خواہ مخواہ کا خطرہ کیوں مول لیتی ہو؟"

"کیوں کہ وہ میرے اوپر خواہ مخواہ کی سختی کر رہے ہیں" رکی نے جواب دیا۔

تو یہ 'خواہ مخواہ' کی 'خواہ مخواہ' کے ساتھ لڑائی تھی۔

"مگر اس کا حشر کیا ہوگا؟"

"پھر انٹروگیشن، پھر ہاؤس اریسٹ، پھر سختی ....."

"مگر کتنی دفعہ اور کس حد تک؟"

"شاید اس حد تک، جہاں تک ....." رکی کچھ خاموش ہو گئی، مگر پھر کہنے لگی "جس حد تک کی تھانوں میں ہوتا ہے۔"

محسوس ہوا ــــ رکی صرف اتنا ہی کہنا نہیں چاہتی، اس سے آگے بھی کچھ کہنا

چاہتی تھی، شاید، جس حد تک تھانوں میں ہوتا ہے" اس کی تشریح کرنا چاہتی تھی۔
میں خاموشی سے اسی کی طرف تکتا رہا۔

اس نے تشریح کی، "تمہیں معلوم ہے، تھانے والے خود ہی اپنے ملزم کو تیسری منزل سے دھکا دے کر گرا دیتے ہیں، اور کہہ دیتے ہیں کہ ملزم نے اپنی مرضی سے خودکشی کی ہے۔"

میں کانپ سا گیا ـــــ دھکے میں اور خودکشی میں جو فرق تھا، وہ کہاں نہیں تھا! اور وہ کیوں کسی کو پکڑائی نہیں دے رہا تھا.....

"ایک اور بھی حشر ہو سکتا ہے" لڑکی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"وہ کیا؟"

"کہ اچانک وہ کسی دن، کسی کو پکڑ کر میری شادی کر دیں، مگر یہ بھی کسی کو تیسری منزل سے دھکا دے کر مارنے والی بات ہے۔ کیوں نہیں؟"

میں لڑکی کے بہت نرم، مگر بہت سخت مُنہ کی طرف تکتا رہا۔

"ایک حشر اور بھی ہو سکتا ہے" لڑکی نے پھر سوچ کر کہا۔

"کیا؟" میری آواز کانپ سی گئی۔

"تنویر والا حشر"

"کیا؟" محسوس ہوا میری آواز ڈر سی گئی تھی۔

"جس طرح تنویر جلاوطن ہوا تھا، میں بھی ہو سکتا ہوں۔"

لڑکی ہنس سی پڑی، اور کہنے لگی "میچر بھی ماں باپ کی طرح ہوتے ہیں۔ مسٹر جوزف کی ضد ٹوٹتی نہیں تھی۔ تنویر کو سارا دیس چھوڑنا پڑا، میرے ماں باپ کی ضد بھی،

مجھے علم ہے ٹوٹے گی نہیں . . . "

ہال میں میرے دوست، اور رکی کی سہیلیاں ریکارڈ بجا رہی تھیں، اور ڈانس کر رہے تھے۔ رکی کا جب سے مس کریلن نام پڑا تھا، تقریباً اُس وقت سے ہی اس کی ایک سہیلی کا نام "مس وائٹ ہاؤس" پڑ گیا ہوا تھا۔ یہ فش پونڈ گیم کھیلتے ہوئے نہیں پڑا تھا، ویسے ہی اس کی انگریزی کے امریکن لہجے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔

وہ مس وائٹ ہاؤس دھماکے کی طرح میرے کمرے میں آئی، اور رکی کا بازو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے کہنے لگی، "کم آن مسٹر کپل! یو سلی فلاسفر! جوائن اَس!"

میں اور رکی دونوں ہال میں جا کر ڈانس کرنے لگے۔

"اگر میں بھی تنویر کی طرح چار سو ستر روپے جمع کر لوں، تو بمبئی سے لبرے کی ٹکٹ لے سکتی ہوں"، رکی نے اچانک میرے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے کہا۔

محسوس ہوا ——— تنویر دراصل، ہم سب کی تقدیر تھا۔

مسٹر جوزف والی ضد، شاید ساری ہوا میں تھی ——— کہیں ماں باپ کی صورت میں، کہیں کسی سارے سماج کی صورت میں، کہیں پوری سیاست کی صورت میں . . .

کون تھا، جس کا کچھ نہ کچھ حصہ، جلاوطن نہیں تھا . . .

صرف رکی کو یہ کہنا چاہتا تھا ——— "پوری طرح جلاوطن ہونا ہر کسی کے اختیار میں نہیں ہوتا، تنویر مرد تھا، راستے کی گرد میں اپنے پاؤں بھر سکتا تھا، مگر تم عورت ہو . . ." مگر یہ بھی کوئی کہنے کی بات تھی، ایک عورت سے زیادہ کس کو اس کا علم ہو سکتا تھا۔

اور سچ مچ رکی کو علم تھا۔ کہنے لگی "تم میرے ساتھ چلو گے؟"

جواب میں میں نے رکی کے ہونٹ چوم لیے۔

کتنی دیر تک کچھ یوں محسوس ہوتا رہا ـــــ جس طرح ہم دونوں ایک پردیسی زمین پر کھڑے ہوں، میلوں تک کوئی واقف چہرہ نہیں تھا.... کسی جگہ ریت کے انبار تھے، کسی جگہ صرف جنگل، کسی جگہ صرف پربت، اور کسی جگہ صرف وہ نگر جہاں ہمارے سر پر کوئی پردہ نہیں تھا....

رِکی چلتے چلتے تھک گئی تھی، اور میں اس کے ہونٹ چوم رہا تھا....

رِکی بھوک سے بے حال تھی، اور میں اس کے ہونٹ چوم رہا تھا....

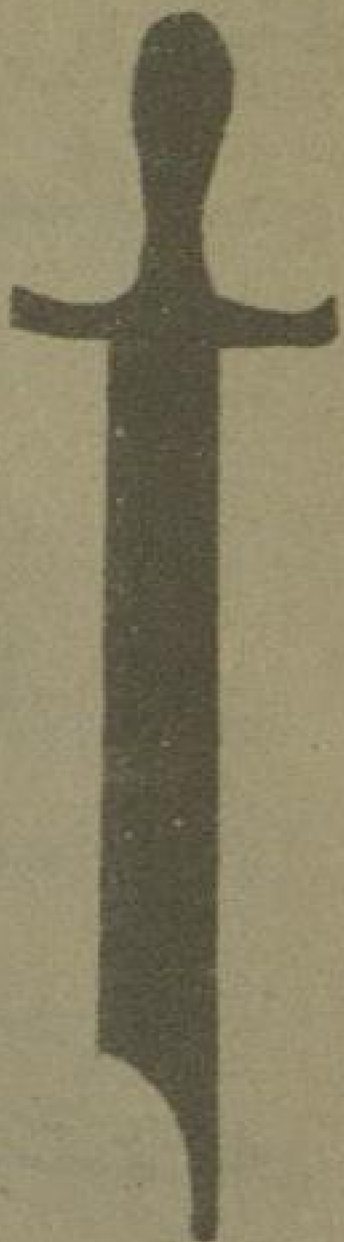
رِکی سردی سے کانپ رہی تھی، اور میں اس کے ہونٹ چوم رہا تھا....

رِکی بخار سے بے ہوش تھی، اور میں....

او مائی گاڈ، میرے پاس، اِن کے بغیر کیا تھا، جو میں رکی کو دے سکتا تھا۔ اور میں ـــــ اس بھوک، سردی، اور بخار کی رسائی سے کتنا ناواقف تھا...

"ابھی، ایک دم نہیں، جب تم ڈگری لے لوگے...." رِکی نے خود ہی کچھ سمجھا اور خود ہی کہا۔

یہ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا، صرف رِکی کا وشواس اچھا لگ رہا تھا۔ اور جس کی وجہ سے کمرے میں بج رہا گیت اچھا لگ رہا تھا ـــــ لیٹ اَس سو دی ارتھ ورلڈ کریزی ڈریمز....



صرف شیریں ہی نہیں، شیریں کی دوست بھی بڑی سخت جان تھی ....

جس پارسی لڑکے کے ساتھ شیریں کی منگنی ہونی تھی، ہوگئی، صرف منگنی کے بعد اس نے ایک اعتراض کیا کہ شیریں مجھے نہ ملا کرے۔ مگر شیریں کا ایک ہی جواب تھا، "مجھے ٹھیک اور غلط کی پہچان ہے، کیلی کی دوستی مجھے اتنی ہی ٹھیک معلوم ہوتی ہے، جتنی تمہارے ساتھ منگنی۔ تم مجھ پر ایسی کوئی شرط نہ لگاؤ، کہ مجھ کو تمہارے ساتھ اپنی منگنی غلط معلوم ہونے لگے ...."

تو شیریں پر کسی کی لگائی ہوئی کوئی شرط نہیں تھی۔ وہ اپنی منگنی کے بعد بھی اسی طرح ملنے آتی تھی، جس طرح اپنی منگنی سے پہلے۔ رِکی اس کو اچھی لگی تھی۔ مگر رِکی کا اپنے باپ کی سختی کے آگے جھک جانا اس کو اچھا نہیں لگا تھا۔ ایک دن وہ مجھے بھی بتائے بغیر، رِکی سے ملنے اس کے گھر چلی گئی۔

واپس آئی، تو غصہ میں تھی، اس کا غصہ شاید صرف لڑکی کے ساتھ نہیں تھا، لڑکی کے گرد جنے ہوئے اس جالے کے ساتھ بھی تھا، جس میں پھنسی ہوئی لڑکی روئے جاتی تھی، اور اپنی جان گنوائے جا رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں کرتی، ہر بات کے جواب میں روئے جاتی ہے، اور کہتی جاتی ہے ۔۔۔ مائی ایڈیٹ، اور ریل بنوز انڈر سٹینڈ" شیریں نے مجھے بتایا۔ اور یہ بھی بتایا کہ پچھلی دفعہ جب وہ آئی تھی، اس کے باپ نے اس کے پیچھے پیچھے ایک نوکر بھیج کر پتہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں کتنی دیر ٹھہری تھی۔۔۔۔

'باپ' لفظ کے ساتھ 'ایڈیٹ' لفظ کو جوڑنا، معمولی سا حادثہ نہیں۔۔۔ اس لفظ کے اوپر دنیا کے بڑے سخت خول چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ لوہے کے پنجوں کی طرح۔ اور اس لفظ کو لوہے کے پنجوں میں سے نکال کر نفرت یا محبت کے اصلی روپ میں دیکھنا بہت مشکل ہے۔ شیریں سے لڑکی کے دل کی حالت سن کر بے چینی کا عجیب احساس ہوا۔۔

معلوم تھا ۔۔۔ یہ لفظ صرف باپ کے لیئے نہیں، باپ کو جس ماحول نے جس طرح کا بنایا ہے، یہ لفظ اس سارے پھیلاؤ کے لیئے ہے۔ اور یہ لفظ آنسوؤں اور نفرت کی جن جڑوں میں سے اُگا ہے، وہ جڑیں صرف ایک رشتے یا ایک گھر کی حدوں تک محدود نہیں، وہ ساری سماجی بناوٹ کی مٹی میں پھیلی ہوئی ہیں۔۔۔

کسی بھی غلط بناوٹ کے ساتھ غصہ یا نفرت، اپنے آپ میں زندگی کی نشانی ہے، ہمیشہ رہی ہے، زندہ ڈنک کی طرح، مگر اس کے ڈنک کو سالہا سال تک چھاتی میں ڈال کر، کوئی کوئی ہی ثابت رہ سکا ہے، زیادہ دفعہ سمجھوتے کی شکل

ہیں، انسان اس کے درد سے رہائی ڈھونڈ لیتا ہے۔ اور یا اس کے درد سے ٹوٹ کر، بڑی عجیب حالتوں میں مصروف ہو کر بچاؤ ڈھونڈ لیتا ہے....

میں پریشان تھا ۔۔۔ رسی کا کیا ہو گا؟ نفرت، سر کو زہر بن کر بھی چڑھتی ہے، اور نہ ہر سے ساتھ زہر کو کاٹنے والا دارو بن کر بھی حاصل ہوتی ہے....

رسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا، کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا، کچھ بتا نہیں سکتا تھا، اس لیے صرف سوچے جا رہا تھا.....

ونود بھی پریشان تھا۔ بڑی مشکل سے کچھ پیسے جمع کر کے اس نے اپنی پینٹنگز کا ون مین شو کیا تھا۔ مگر اس کی گمنامی کی کوٹھڑی میں اندھیرا اسی طرح رہا تھا۔ کہیں کوئی چرچا نہیں تھا۔

"آر یکنڈ پبلسٹی، آئی ہیٹ اِٹ" ونود کڑوے تھوک کی طرح، یہ لفظ تھوکتا رہا تھا، یہ تھوک حلق سے نیچے اتارتا رہا تھا، مگر اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

اچانک اس کو ایک کریزی آئیڈیا سوجھا۔ اس نے پھر ایک چھوٹی سی آرٹ گیلری بک کروائی۔ اس دفعہ سارا بندوبست اکیلے نے کیا۔ ہم سے، اپنے بہت نزدیکی دوستوں سے بھی، نہ کوئی روپیوں کی مدد لی، نہ تصویروں کو اٹھانے میں۔ گیلری کے باہر ایک بڑا سا پوسٹر لگوایا ۔۔۔ "رئیلی ریلیٹنگ پینٹنگز" گیلری کو ہر وقت وہ تالا لگا کر رکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا ۔۔۔ اس دفعہ وہ دوستوں، دشمنوں، سب کو ایک اچنبھا پیش کرے گا۔ گیلری کا تالا وہ صرف اس وقت کھولتا، جو وقت اس نے پوسٹر پر لکھا ہوا تھا۔

وقت آیا۔ ہم سارے دوست بھی، نمائش دیکھنے آئے ہوئے لوگوں کی طرح، دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ دنود نے گھڑی دیکھی، اور پھر اعلان کیئے ہوئے وقت کے مطابق، گیلری کا دروازہ کھول دیا۔

او خدایا......

ایک جگہ لکھا تھا 'پورٹریٹ آف اے کیٹ'، اور اس کے نیچے ایک بلی کو مار کر ایک کیل کے ساتھ ٹانکا ہوا تھا۔

ایک جگہ لکھا تھا 'پورٹریٹ آف اے ماؤس'، اور اس کے نیچے ایک چوہے کو مار کر ایک کیل کے ساتھ لٹکایا ہوا تھا۔

اور اسی طرح ــــ کبوتر.... کوا.... چڑیاں....

کئی جگہ ــــ صرف ایک کیل تھا، ایک قینچی، ایک چاقو، یا پنسل، برش اور اسی طرح کی کئی چیزیں۔ اور ہر ایک کے اوپر ایک ٹائیٹل تھا۔

میں نے گھبرا کر اس کو مذاق کیا ــــ "وٹ اباؤٹ دی سیلف پورٹریٹ؟"

"وہ آخری آئیٹم ہو گی" ونود ہنس پڑا اور کہنے لگا "اس سے پہلے ایک اور بہت ضروری آئیٹم رہتی ہے پورٹریٹ آف ایڈیٹ کریٹک!"

میں کانپ سا گیا ــــ وہی لفظ.... لکی والا... ایڈیٹ نادر....

اگر کبھی تنویر یہاں ہوتا، مجھے محسوس ہوا، وہ ونود کو "پورٹریٹ آف این ایڈیٹ ٹیچر" بنانے کے لیئے ضرور کہتا....

محسوس ہوا ــــ مختلف نظر آتے ہر ٹائیٹل کے پیچھے صرف ایک ٹائیٹل تھا 'دی ایڈیٹ سسٹم'،

تنویر معلوم نہیں کہاں تھا، رکی ـــــ علم ہوتے ہوئے بھی علم نہیں کہاں تھا، صرف ونود سامنے تھا ـــــ میں نے اس کے گرد بازو لپیٹ کر اس کو ایک دفعہ بازوؤں میں دبایا، اور پھر گیلری سے باہر، اُن سڑکوں پر آ گیا، جو کہیں سے چل کر کہیں نہیں پہنچتی۔

مس وائیٹ ہاؤس آئی تھی، رکی کی سہیلی - اس کی زبانی صرف یہ معلوم ہوا تھا کہ رکی کو بہت مارا گیا ہے۔ مگر کئی دنوں کی لگاتار مار کے بعد بھی جب وہ ٹوٹی نہیں تھی، تو اس کے باپ نے سارے ہتھیار چھوڑ کر ایک دن اس کو پوچھا تھا "تمہیں کپل پسند ہے؟ تم اس کو ملنا چاہتی ہو؟" اور جب جواب میں رکی نے ہاں کہا، تو اس کے باپ نے ایک آخری ہتھیار پکڑ لیا تھا "پھر میرے اور کپل میں سے جو تمہیں پسند ہو اس کو چن لو" اور رکی چپ کی چپ رہ گئی تھی۔

یہ سب کچھ سن کر کچھ بولا نہ گیا۔ میں بھی شاید رکی کی طرح چپ کا چپ رہ گیا تھا......

ہیرو اس وقت میرے پاس بیٹھا تھا، صرف وہ بولا "اِزِٹ بی اے... پروورٹ؟"

ایک لڑکے کی دوستی میں، اور ایک باپ کے رشتے میں بھلا کیا مقابلہ ہوتا ہے؟ دونوں کو ایک سطح پر رکھ کر، ایک کو چھوڑنے کا، اور ایک کو پسند کرنے کا، سوال بھی کوئی سوال ہے؟ ہیرو جیسا جھلا لڑکا بھی اس کو۔۔ پرورشن کہہ سکتا تھا، مگر مجھ میں یہ بھی کہنے کی ہمت نہیں تھی۔۔۔۔

چپ تھا، چپ ہوں۔۔۔۔۔

جن دنوں کی یہ بات ہے ــــ ان دنوں ہمارے امتحان ہو رہے تھے میں نے بہت سوچا تھا کہ رکی کو نہ سوچوں۔ کم از کم امتحان کے دنوں میں نہ سوچوں ویسے بھی میں نے کبھی رکی کو اپنی زندگی کے ساتھ نہیں جوڑا تھا ــــ اور رکی کا اپنے باپ کی سنی کو سہنا، مجھے کبھی اتنا اپنے لیئے نہیں محسوس ہوا تھا، جتنا اس کی سادہ سی مرضی کو بھی موڑ دینے میں سے پیدا ہوئی اس کی ناراضگی معلوم ہوتی تھی۔۔۔۔تب بھی میں پریشان تھا، اور رکی کو سوچے جا رہا تھا۔۔۔۔۔

اس دن ہمارا ٹیکنیکل ڈرائنگ کا پیپر تھا ــــ مجھے کچھ علم نہیں کہ میرا وہ پیپر کیسا ہوا تھا۔ صرف سہ پہر کو جب میرے ساتھ پڑھتے ہوئے فورتھ ایئر کے کچھ لڑکے بڑے فکرمند سے نظر آئے ــــ میں بھی اپنے پیپر کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ وہ مجھے بھی میرے پیپر کے بارے میں پوچھ رہے تھے ــــ مگر میں کچھ اس طرح کی حالت میں تھا، کہ ان کو کچھ بتانے سے پہلے، مجھے وہی کچھ اپنے آپ سے پوچھنا پڑ رہا تھا۔۔۔۔۔۔۔

پیپر شام کے وقت ہوا تھا ــــ تین بجے سے چھ بجے تک، اور یہ علم تھا

کہ امیگریشن ہال کو جانے ہے اس وقت تالا لگا ہوا تھا، مگر سب کے پرچے، اسی طرح سب کی میزوں پر پڑے تھے۔ بہت سے لڑکے جب ایک دوسرے سے پوچھ کر چلے گیے، تو دو لڑکے میرے پاس بیٹھے رہے۔ میرے دوست نہیں تھے، صرف واقف تھے۔ ان دونوں کو کچھ زیادہ ہی فکر تھا، کچھ سوال وہ جوں کے توں چھوڑ آئے تھے۔

صرف اگر کبھی ایک گھنٹے کے لیئے، یا آدھے گھنٹے کے لیئے، ہمارے پرچے ہمارے ہاتھ آجائیں۔۔۔۔ "وہ دونوں کہے جا رہے تھے، اور مجھے میرے پرچے کے بارے میں پوچھے جا رہے تھے۔

میں اپنے پرچے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا، مجھے خود پتہ نہیں تھا۔

"مشکل یہ ہے کہ ہال تیسری منزل پر ہے" ایک نے کہا۔

مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اگر ہال پہلی منزل پہ ہوتا، تو کیا فرق پڑتا۔

"سمجھے نہیں؟" دوسرے نے کہا۔

"نہیں"

"دروازہ بھی بند ہے، اور کھڑکیاں بھی، مگر روشن دان کھلے ہیں۔۔۔۔ اگر کسی روشن دان میں سے گذر کر صرف آدھے گھنٹے کے لیئے ہم اپنے پرچے لا سکیں۔۔۔۔"

ایک نے مجھے تفصیل سے بتایا "جیب میں بیڑی لائی جا سکتی ہے، یا ماچس کی تیلی جلا کر اپنا میز پر رول نمبر دیکھا جا سکتا ہے، اور پھر آدھے گھنٹے کے بعد اسی طرح وہ پرچے وہاں رکھے جا سکتے ہیں۔۔۔۔"

"تو رسکی۔۔۔۔" یہ محسوس ہوا تھا، کہہ دیا۔

"اور سکی نہیں، ہم میں سے ایک پائپ کو ہاتھ ڈال کر اوپر چڑھ جائے گا، دو نیچے دور کونوں پر کھڑے رہیں گے۔" دونوں نے مجھے تفصیل سے بتایا، "اگر کوئی ادھر سے گزرنے لگے گا، تو نیچے کھڑے ہونے والے اس کو دور ہی کسی بہانے روک لیں گے..... صرف مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو پائپ پر چڑھنا نہیں آتا....."

"پھر؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں جمناسٹک آتی ہے — تم اگر پائپ پر چڑھ جاؤ....." انہوں نے کہا۔

میں کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ میرا پرچہ بھی شاید اچھا نہیں ہوا تھا، کچھ اسی طرح کا تاثر تھا۔ پتہ نہیں یہ دل کی ڈپریشن تھی، کہ اپنے پرچے کا سچ مچ کچھ لالچ سا آگیا تھا، میں مان گیا۔

ہم تینوں بہت دیر تک عمارت کے پچھلے حصے والے باغیچے میں گھومتے رہے جب اس طرف سے کسی کے گزرنے کا شک نہ رہا، تو وہ دونوں لڑکے دونوں کونوں پر جا کھڑے ہوئے۔ میرے تمام جسم پر پسینہ آ رہا تھا — خاص کر ماتھے پر۔ مگر کہہ چکا تھا، اب پائپ پر چڑھنا تھا۔

چاروناچار پائپ کی چڑھائی ختم کی، روشن دان میں سے اندر چھلانگ بھی لگائی، ماچس کی تیلی جلا کر تینوں کے رول نمبر ڈھونڈے، تینوں پرچے بھی قمیض کے بٹن کھول کر قمیض کے اندر رکھے، پھر اسی طرح واپس بھی آیا.....

وہ دونوں لڑکے ہوسٹل کے ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ میں ہوسٹل میں نہیں رہتا تھا۔ اس لئے اپنے پرچے کو لے کر، یا اپنی حویلی کے کمرے میں جانا

تھا، یا اُن لڑکوں کے کمرے میں - ان سب پرچے ان کو دے کر میں اپنی حویلی کی طرف چل دیا.....

پھر پتہ نہیں یہ کیا تھا ـــــ اپنا پرچہ لے کر اپنے کمرے میں جانے کو دل نہیں کیا - میں حویلی تک گیا بھی، مگر کمرے میں نہیں، حویلی کے باہر والے باغیچے میں گھومتا رہا.....

پرچے کو ایک دفعہ بھی کھول کر نہ دیکھا......

پتہ نہیں کتنا وقت گذر گیا، شاید آدھا گھنٹہ ہی گذرا ہوگا، یا کچھ زیادہ، وہ دونوں لڑکے مجھے ڈھونڈتے ہوئے، میرے پاس آگئے - اب سارے پرچے پھر واپس رکھنے تھے....

پرچوں کو واپس، اسی ہال کے، ان ہی میزوں پر رکھنے والا سلسلہ بھی، اسی طرح بغیر کسی خطرے کے ہو گیا، جس طرح نکالنے کے وقت ہوا تھا.....

یہ سب کچھ کس طرح میں نے کیا، مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی....

اپنا پرچہ، جو اتنے خطرے میں پڑ کر لایا ہی تھا، تو پھر اس کو کھول کر، اس میں کچھ بھی کرنے کا حوصلہ کیوں نہیں رہا، اس کو بھی میں کبھی نہ سمجھ سکا.....

ایک خطرناک حرکت تھی، مل کر گزرا تھا، مگر جب پرچہ ہاتھ میں تھا، اس کو کھولنے کی، اور اس میں کچھ لکھنے کی، بڑی معمولی سی حرکت تھی، مگر وہ نہ ہوئی.... یہ کیا تھا؟

کیا یہ بھی کسی اندرونی چیپ کی کوئی شکل تھی؟

وہ دونوں لڑکے بڑے خوش تھے - میرے احسان مند بھی، مگر اُن کو بھی میں نے یہ بات نہیں بتائی، بتلانے پر دل نہیں مانا - پتہ نہیں یہ کس طرح کی خاموشی تھی....



میں چپ تھا، چپ ہوں۔

محسوس ہوتا ہے ــــ یہ چپ کبھی نہیں ٹوٹے گی۔ نہ ہی میں اس کو توڑ سکا ہوں۔ نہ وقت ہی توڑ سکا ہے۔

وقت نے اور بہت کچھ توڑا ہے ــــ مثلاً شانتی بھون، جس کی جگہ اس سے اگلے برس ہی، انکم ٹیکس کی ایک سرکاری عمارت ابھرنے لگی تھی....

(انکم ٹیکس کی ابھرتی عمارت کو دیکھ کر ایک دن ونود نے کہا تھا ــــ جہاں زندگی کو نہ کمانے کا موقع ہو، نہ خرچ کرنے کا، وہاں سانسوں پر ٹیکس لگنا چاہیئے۔ لوگوں کے سانسوں میں سے روزانہ کچھ سانس نکال کر، حکومت کے جسم میں ڈال دینے چاہئیں....)

اور وقت نے ونود کو بھی توڑا ہے ــــ پچھلے ایک سال سے ونود پاگل

خانے میں ہے ۔۔۔۔ (ایک دفعہ میں اس کو ملنے گیا تھا ۔۔۔۔ اس نے مجھ سے ۔۔ پوچھا نہیں تھا، مگر میں نے اس کو گاتے سُنا تھا، آئی ایم دی بیسٹ کری ایشن آف گاڈ بلیسڈ ود بارڈی اینڈ مزری ۔۔۔۔")

تنویر کی بابت خبر ملی تھی ـــ کہ وہ ایک خفیہ سیاسی پارٹی میں شامل ہو گیا تھا۔ اور غیر ممالک سے ہتھیاروں کی سمگلنگ کے جرم میں، پولیس کے ہاتھوں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا، اور کسی جیل خانے میں ہے۔

اشوک بری طرح ٹوٹ گیا ہے ـــ تقریباً ہر عمارت کے اوپر کچھ موزیک بنانے کا ٹھیکہ اس کو ملتا ہے۔ جس کے لیے سرکاری افسروں کو رشوت دینے کے لیے اس کے در کھلے ہیں۔ اب وہ پینٹ نہیں کرتا۔ کئی چھوٹے کاریگر اس نے اپنے ماتحت رکھے ہوئے ہیں، اور خود صرف سرکاری دفتروں کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کا۔۔ بندوبست کرتا ہے ۔۔۔

شیریں بڑی سخت جان ہے۔ اس نے شادی کرنی تھی، کی تھی، مگر اس کا خاوند اس کو ـــ وفا اور انڈرسٹینڈنگ جیسا کچھ نہیں دے سکا، جس کی اس کو سب سے زیادہ ضرورت تھی، اور جس کی وہ حقدار تھی۔ اس کی ایک چھوٹی سی بچی ہے، اور خود وہ کسی سکول میں نوکری کرتی ہے۔ شادی ابھی بھی قائم نظر آتی ہے، مگر وہ روزانہ جیسے اس کو، جہاں بھی پہنچتا ہے، ٹانکے کے ساتھ اس کو سیتی رہتی ہے ایک دفعہ فرانس کے بارے میں کہی ہوئی کسی کی بات کہیں پڑھی تھی، ’’فرانس ہیز بن کنکرڈ بٹ ناٹ ڈیفیٹیڈ‘‘، شیریں کے بارے بھی کچھ اسی طرح ہے ۔۔۔۔ وہ ٹوٹی ہے، مگر ہاری نہیں ۔۔۔۔

میرا اگر وقت نے اور کچھ نہیں توڑا، تو عمر کا ایک ٹکڑا ضرور توڑ دیا ہے، اور روز توڑتا جا رہا ہے.... پڑھائی کے سال پورے کرنے کے بعد ڈگری مل گئی تھی۔ ایک چھوٹی سی نوکری بھی۔ اور گھڑی کی سوئیوں کی طرح میں گھر سے دفتر، دفتر سے گھر، گھومتا ہوں، اور روزانہ ایک دائرے میں گھومتا رہتا ہوں....

اور رکی؟

رکی ملی تھی۔ کیسے خط یا خبر کی طرح نہیں، حسب معمول۔

کچھ دنوں سے خط آ رہے تھے، کہ میری نانی اداس تھی، کچھ بیمار۔ ماں کہہ رہی تھی کہ میں گاڑی میں جا کر، گاؤں نانی کو مل آؤں، یا اس کو ساتھ لے آؤں (تعلیم ختم کر کے ماں کے پاس واپس آ کر، ماں نے —— ایک بہت نئی تو نہیں، مگر ایک گاڑی خرید کر مجھے دی تھی) —— میں صبح سویرے، ابھی اندھیرا ہی تھا، اپنے شہر سے چل دیا تھا۔ ایئرلائن کے دفتر کے ساتھ ایک پٹرول پمپ تھا، جہاں سے گاڑی کی ٹینکی بھروا رہا تھا، کہ ایئرلائن کے دفتر کے آگے، ہوائی اڈے سے آ کر جو بس کھڑی ہوئی، اس میں سے رکی اتری....

رکی نے مجھے دیکھا، میں نے رکی کو....

دھیان نہیں، مگر نگاہیں پھیر لینا چاہتا تھا، کہ رکی میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ بس میں سے اترے، اور اتر رہے سارے لوگ، مجھے اور رکی کو دیکھ رہے تھے —— پتہ نہیں ان میں سے کون تھا، جو اب رکی کا بازو پکڑ کر اس کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا....

اس لمحے میں سایوں کی طرف تکتا رہا، بولا نہیں گیا۔

"میں اکیلی ہوں، میرے ساتھ کوئی نہیں" لڑکی نے کہا ۔ اس نے میری خاموشی کو شاید سمجھ لیا تھا۔

لڑکی کا ایک سوٹ کیس بس میں تھا۔ بس میں سے سامان اتارا جا رہا تھا، لڑکی نے اپنا سوٹ کیس لینا تھا" ایک منٹ" کہہ کر جب وہ مڑی، اور سوٹ کیس لے آئی، میں نے اس کا سوٹ کیس گاڑی میں رکھتے ہوئے پہلی دفعہ بولا۔ کہا — "چلو جہاں تم نے جانا ہے، تمہیں چھوڑ آؤں"۔

لڑکی نے کچھ نہ کہا، گاڑی میں میری بائیں طرف بیٹھ گئی۔ گاڑی کے سٹیرنگ پر ہاتھ رکھ کر، جب سامنے شیشے میں سے باہر سڑک کو دیکھا —— پتہ نہیں لگ رہا تھا، یہ کون سے شہر کی کون سی سڑک ہے ....

ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھا، گاڑی سامنے کی طرف بڑھی، اور پھر سامنے والی سڑک ختم ہو گئی .....

کہیں مڑنا تھا —— بائیں، یا دائیں، اس لیے لڑکی سے پوچھا،

"گاڑی کو کدھر موڑوں؟"

"جدھر مرضی" لڑکی نے اس طرح کہا، جیسے یہ عام جواب تھا۔

"جدھر موڑوں، اُدھر ہی تمہارا گھر ہو گا؟" مجھے ہنسی آ گئی۔

لڑکی ہنسی نہیں۔ کہنے لگی، "جدھر موڑو، ادھر ہی گھر نہیں ہو گا"۔

اپنا پاؤں ایکسیلیٹر کی جگہ رکھنے کی بجائے محسوس ہوا —— میں نے اپنی سوچوں پر رکھ لیا تھا، اور وہ بڑی تیز، پتہ نہیں کدھر کو، جا رہی تھیں ....

"تم اتنی صبح کہاں جا رہے تھے؟"

"شہر سے کوئی سو میل دور، اپنی نانی کے گاؤں۔"

"پھر گاڑی چلاتے جاؤ، رک کیوں لی"

"تم میرے ساتھ چلو گی؟"

"ہاں"

میں نے گاڑی اس سڑک پر ڈال دی، جو شہر سے باہر جاتی تھی، اور ذرا سا ٹھہر کر، لڑکی پھر دوبارہ گاڑی کو شہر کی طرف موڑنے کے لیئے کہے گی۔

لڑکی نے کچھ نہیں کہا۔

کچھ دیر کے بعد مجھے ہی کہنا پڑا "گاؤں سے واپس ہوتے ہوئے رات ہو جائے گی، یہاں پیچھے کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہو گا....."

"یہاں کوئی نہیں۔ صرف پاسپورٹ بنوانے کے لیے اس شہر آئی ہوں۔ پاسپورٹ آج نہیں، نہ سہی، کل بنوا لوں گی"

یہ سارا دن کس طرح کا ہو گا..... یہ اچانک کیوں اور کس ملا تھا... کس لیئے ملا تھا... کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

یہ دن کچھ اس طرح محسوس ہو رہا تھا، جیسے سڑک پر چلتے، اچانک سڑک پر سے کوئی قیمتی چیز مل جائے.... اور وہ قیمتی چیز، اپنی لگنے کی بجائے، ہاتھوں میں یوں بیگانی سی محسوس ہو رہی ہو، کہ آدمی وہ چیز اس کے اصلی مالک کو لوٹانے کے لیئے، اس کو ڈھونڈنے چل دیا ہو۔

"تمہیں علم ہے ــــ میری شادی ہو چکی ہے، لڑکی نے اچانک بتایا۔

"اندازہ تھا، مگر معلوم نہیں تھا۔"

"وہی آج کل انگلینڈ میں ہے، اسی لیئے انگلینڈ جانا ہے۔" رکی نے بتایا۔ اور پھر ہنسنے لگی۔ کہنے لگی، "تمہیں یاد ہے، ایک بار میں نے چار سو ستر روپے اکھٹے کر کے بمبئی سے کشتی کے ذریعے بصرہ جانے کی بات کہی تھی۔۔۔۔"

میں رکی کو کچھ بھی یاد کرانا نہیں چاہتا تھا، اس لیئے جواب نہ دیا۔

"تمہیں بھول گیا ہے؟" رکی نے پھر کہا۔

"نہیں،" مجھے کہنا پڑا۔

"چار سو ستر روپے میرے ٹکٹ کے، اور چار سو ستر روپے تمہارے ٹکٹ کے۔۔۔۔" یکلخت رکی نے پھر تفصیل کے ساتھ کہا۔

جواب میں میں نے ہنسنے کی کوشش کی۔۔۔۔۔

"اب چاہے میرے پاس کتنے بھی روپے ہوں، اور چاہے تمہارے پاس بھی کافی پیسے ہوں، مگر وہ چار سو ستر روپے کسی کے پاس نہیں ہو سکتے۔۔۔۔" رکی کہہ رہی تھی، اور میں سوچ رہا تھا کہ رکی کبھی یوں جذباتی نہیں ہوتی تھی۔

"ایک اور بھی خبر تمہیں سنانی ہے۔۔۔۔" اچانک پھر رکی نے کہا۔

"کیا"

"کہ میرا ایک بچہ بھی ہے، ایک لڑکا، اس کو تین چار دن کے لیئے اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔"

بچہ کتنا بڑا تھا، اس کا کیا نام تھا، اور بچے کا باپ کس طرح کا تھا، کیا کرتا تھا۔ یہ شادی رکی کی مرضی سے ہوئی تھی کہ نہیں۔۔۔۔ کتنی ہی باتیں تھیں، جو رکی سے میں پوچھنا چاہتا تھا، مگر رکی نے سارا کچھ ایک ہی دفعہ اخبار کی خبروں کی طرح سنا

کر، پھر کہہ دیا — اٹ ہیز نو ریپیٹ ویلیو، لیٹ اس میک سم تھنگ — اسپیس.....

پھر اور باتیں کرنے کی بجائے، ہم خاموش سے ہو گئے — یہ اور کیا تھا — جو باتوں کی پکڑ میں نہیں آ رہا تھا — مگر تھا۔

اسی "اور" کو کچھ پکڑنے کے لیے لڑکی نے پھر کوشش کی، میرے اور میرے باپ میں سے کسی ایک نے ہارنا تھا۔ مگر وہ نہیں میں ہاری ہوں، اگر میں نہ ہارتی تو وہ ہارتا، پھر بھی شاید آسان نہیں تھا۔ اب وہ خوش ہے، ماں خوش ہے، سب خوش ہیں....

"تم؟"

"زندگی کے سارے آرام ہیں، کیوں ظاہر نہیں ہیں؟"

"ظاہر ہیں"

"پھر آج کا دن.... ابھی، اچانک، یہ ایک دن مجھے اپنی زندگی میں سے — چرانے کا موقع ملا ہے، اور میں نے اس کی چوری کر لی ہے۔ اتنی حیرانی سے کہ تمہیں سے بھی اس کی ضرورت نہیں پوچھی — اس کا مطلب ہے — مجھے کہیں کسی جگہ، اس کی بڑی ضرورت تھی، کیوں ظاہر نہیں؟"

"ظاہر ہے" میں نے کہا، مگر سوچ رہا تھا۔ یہ ظاہر کیا ہے؟ جو ہر طرف سے بھی وہی ہے، اور اُلٹی ڈائریکشن میں بھی وہی ہے۔

پتہ نہیں کتنے میل گاڑی کے نیچے سے گزر چکے تھے۔ آج کا اچھا دن جیسے آیا تھا — جس وقت خیال آیا — کہ یہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ بہت بڑی

سویرے روانہ ہوا تھا۔ ماں نے گاڑی میں بھی کچھ پھل، لبکٹ، اور تھرمس میں چائے ڈال کر رکھ دی تھی، اس لیے رکی کو کچھ کھانے کے لیئے کہا۔

رکی نے تھرمس میں سے چائے نکال کر پی، میرے لیئے بھی ڈالی، اور چائے پکڑاتے ہوئے بولی — "لاسٹ رائیڈ ٹو گیدر"

"فسٹ رائیڈ ٹو گیدر" — میں نے جواب دیا۔ یہ سچ مچ پہلا سفر تھا، اس سے پہلے میں کبھی ایک چھوٹی سی سڑک پر اکٹھے نہیں چلے تھے۔ مگر رکی جو کہہ رہی تھی، وہ بھی سچ تھا۔ اس کے بعد کہاں ہم نے جانا تھا!

پھر اچانک پکی سڑک سے ایک کچا راستہ علیحدہ ہوتا ہوا نظر آیا — جو مری نانی کے گاؤں کی طرف جاتا تھا، اور جس کے کنارے لکڑی کا وہ کھمبا لگا ہوا تھا، جس کی تختی پر لکھا ہوا تھا — فتح گڑھ۔

کچے راستے پر دھول تھی، گاڑی بہت آہستہ کر لی تھی، مگر دھول کے غبار اٹھ کر آنکھوں کے آگے پھیل رہے تھے۔ رکی کی طرف والا شیشہ بند کرتے ہوئے میں نے اسے مذاق کیا، "بمبئی سے کشتی میں بیٹھ کر ہم بصرہ جاتے، تو آگے کویت آنا تھا، وہاں صرف ریت ہی ریت ہے، وہاں ریت کے غبار یوں ہی اٹھتے تھے۔"

"وہاں میں ہر وقت تھرمس میں پانی ٹھنڈا کر رکھتی، اور تمہیں تھوڑی تھوڑی دیر بعد پانی پلاتی رہتی۔۔۔۔" رکی ہنس پڑی۔

"پھر تم ان سب کچھ سے کتنے دنوں کے بعد بھر جاتی؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرح زبانی جمع خرچ کرنے سے کیا بنتا ہے؟" رکی نے کہا تو محسوس ہوا شاید رکی نے بات ٹالی ہے۔

"اب ثبوت نہیں کوئی ہو سکتا" اس لیئے مُنہ زبانی سہی" میں نے پھر کہا، شاید خواہ مخواہ بات کو طول دے رہا تھا۔

"ثبوت ہو سکتا ہے" رکی نے بھڑک کر جواب دیا، تو کچھ حیرانی سی سی ہوئی، پوچھا

"وہ کس طرح؟"

"ابھی یہاں، کسی ریگستان کی طرف گاڑی موڑلو، چاہے کویت کی ریت ہو، اور چاہے کہیں کی ....." رکی ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔

میری سانس کچھ گرم سی ہو گئی، اور شاید زبان بھی، کہہ بیٹھا، "پہلے راستہ میں صرف باپ تھا ــــ اب ....."

"اب تین۔ ایک میرا باپ، ایک میرا خاوند، ایک میرا بچہ۔ مگر کپل اجو ایک بار نہیں ہوتا، تمہارا کیا خیال ہے وہ کبھی نہیں ہوتا؟ شاید میری ایک دفعہ کی ہار نے مجھے کیا کر دیا ہو، کہ میں اس سے تین گنا شکلوں کے سامنے ....." رکی کے اگلے لفظ اس کے گلے میں اٹکے ہوئے محسوس ہوئے۔

بات ہنسی سے شروع ہوئی تھی، مگر معلوم نہیں کس وقت کون سا موڑ مڑ گئی تھی۔ رکی کہہ رہی تھی، "ابھی میں نے کہا تھا" لاسٹ رائیڈ ٹو گیدر، مگر تم نے کہا تھا "فسٹ رائیڈ ٹو گیدر" ــــ تم اس کو حقیقت میں فسٹ رائیڈ نہیں بنا سکتے؟"

"یو آر ریلی میڈ" میں نے جواب دیا، اور اپنا بایاں بازو، اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی رکی کے کاندھے پر رکھا۔

"تمہیں یاد ہے ــــ آخری دن، آخری دفعہ، جب ہم نے ڈانس کیا تھا، اس دن ریکارڈ کا کون سا گیت تھا؟" رکی نے میرے بازو پر سر رکھ دیا، اور وہ گیت گنگنایا

"لیٹ اس سو دی ادتھ ود کریزی ڈریمز۔"

"مگر رکی" (مجھے محسوس ہوا — میری کوئی سوچ مجھ سے بھی زیادہ زبردست تھی) اور میرے منہ سے نکلا، "اس دھرتی میں گیت نہیں اگتے۔"

اس وقت میرے دل میں — میرے سامنے — نہ میں تھا، نہ رکی، نہ رکی کا کوئی باپ یا خاوند، صرف رکی کا ایک کا ایک بچہ تھا، جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا....

"نہیں، میں وہ بچہ خود تھا....

میرے ماں باپ، جب ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے، میں نے وہ بچہ دیکھا تھا۔ میں اب بڑا ہو گیا تھا، مرد بن گیا تھا، مگر وہ بچہ مجھے ابھی بھی یاد تھا....

اور اسی بچے کی طرح رکی کا بچہ تھا....

میں نے جس بچے کو ہر وقت دبکتے، ڈرتے، اور رات کو کمبل میں منہ چھپا کر روتے ہوئے دیکھا تھا، اس بچے کی شکل بھی رکی کے بچے کی طرح تھی....

نہیں، رکی کے بچے کی شکل، اس بچے کی طرح ہونے والی تھی....

نہیں.... نہیں.... میں رکی کے بچے کی شکل اس بچے کی طرح نہیں ہونے دوں گا۔

میں نے رکی کے کاندھے سے اپنا بازو اٹھا لیا۔ دل چاہا — اگر اس وقت رکی کا بچہ یہاں ہوتا، میں زور سے اپنے گلے کے ساتھ لگا لیتا، اور اس کو اس کا منہ چوم کر کہتا —

".... میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، مگر میں تجھ سے کچھ نہیں چھینوں گا...."

دھول کے غبار آنکھوں کے آگے اڑتے رہے۔ رکی نے پھر اپنا خاموش اور اداس منہ، میرے کندھے اوپر رکھ دیا تھا۔ رکی اداس تھی، میں اداس تھا، مگر میرا خیال ہے —

اس وقت کہیں دور، کسی جھونپڑے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہنس رہا تھا...

گاڑی سے شیشے بند تھے، مگر مٹی پھر بھی ہمارے کپڑوں پر پڑ رہی تھی۔ کپڑوں پر سے کچھ مٹی جھاڑتے ہوئے، اپنی اور رکی کی اداسی کو بھی جھاڑنا تھا ——— اس لیئے ہنس کر کہا، "اس جگہ کا نام کسی نے فتح گڑھ کیوں رکھا؟ شاید اس لیئے کہ بہت ساری مٹی کو فتح کر کے جانا پڑتا ہے.....!"

"اس فتح لفظ کا پتہ نہیں کیا مطلب ہے؟" رکی کو کچھ یاد آیا، اور کہنے لگی "موڑ کی تختی پر میں نے جس وقت فتح گڑھ لکھا ہوا دیکھا تھا، اسی وقت سے سوچے جا رہی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہوا۔ عجیب سپیلنگ تھے ——— پی ایچ اے ٹی ای ایچ"

"بالکل نہیں، میں نے تختی پر لکھا ہوا خود یہ نام پڑھا تھا ——— ایف اے ٹی ای ایچ" میں نے کہا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ یہی سپیلنگ تھے۔

"بالکل نہیں" رکی نے عذر کیا، اور پوچھا "کیا کیا شرط؟"

"تم جو شرط کہو" میں نے جواب دیا۔ مجھے یقین تھا کہ میں ٹھیک تھا۔

رکی کو بھی یقین تھا کہ وہ ٹھیک تھی، صرف وہ کوئی بڑی بھاری شرط سوچ رہی تھی۔

"تم جو شرط کہو" میں نے اپنے لفظوں کو دہرایا۔ مجھے تھوڑا سا بھی شرط جیتنے میں شک نہیں تھا۔

"اچھا پھر ———" رکی چہک سی گئی، اور کہنے لگی "اگر میں جیت جاؤں، تو یہ فسٹ رائیڈ، اگر ہار جاؤں تو لاسٹ رائیڈ۔"

"منظور"

"منظور کا مطلب سوچ لیا ہے؟"

"جو مطلب بھی ہو، منظور"

"چاہے یہی ہو کہ یہاں سے سیدھا کسی ریگستان میں جانا پڑے...؟"

میں ہنسنے لگا۔

"اِز اِٹ اے کریزی ڈریم؟" لڑکی بھی ہنس پڑی۔

نانی کے گاؤں پہنچنے کی جلدی سے زیادہ ہم دونوں کو اپنی شرط کے حشر کو دیکھنے کی جلدی تھی، اس لیے گاڑی واپس موڑ لی۔

وہی کچا راستہ، وہی گرد کے غبار، مگر آخر وہ راستہ ختم ہونا تھا، ختم ہوا۔ تو پکی سڑک کی بغل میں گڑھا ہوا لکڑی کا وہ کھمبا آگیا، جس کے سرے کے ساتھ لگی ہوئی تختی پر —— رفیع گڑھ لکھا ہوا تھا۔

"ایف اے ٹی ای ایچ —— میں نے پھر اپنی آنکھوں سے پڑھا، اور ہنس کر لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبایا، اور کہا —— "سواٹ از لاسٹ رائیٹڈ، آور فیٹ" ——

سڑک سے اٹھتی دھول، جیسے صرف ٹیالے رنگ کی نہیں تھی، پیلے زرد رنگ کی بھی تھی —— لڑکی کا چہرہ بالکل زرد ہو گیا۔

"او گاڈ...." لڑکی نے پہلے غور سے تختی کی طرف دیکھا، اور پھر ہاتھ کی ہتھیلی سے تختی کے لفظوں کو اس طرح ٹٹولا، جیسے اس کو شک ہو، کہ ابھی کوئی غیبی ہاتھوں سے تختی پر لکھے نام کے سپیلنگ بدل گیا ہو، اور جس کی گیلی سیاہی کو وہ ہاتھ کی پوروں سے دیکھ سکتی تھی....

"مگر یہ ہوا کیا.... کس طرح ہوا...." لڑکی میرے ساتھ بات کرتے ہوئے تختی کی طرف دیکھے جا رہی تھی، جیسے اس کو یقین ہو کہ اس تختی نے اس کے ساتھ ضرور کوئی

دغا کیا تھا۔

"اور میں ایک بار پھر ہار گئی ۔۔۔۔" رکی اتنا مجھے نہیں جتنا خود کو کہہ رہی تھی، اس کی آواز یوں بجھی ہوئی ہو گئی تھی، کہ مجھے ایک دفعہ پچھتاوا سا آ گیا، کہ میں نے رکی سے ساتھ یہ شرط کیوں لگائی تھی، اگر لگائی تھی، تو میں ہار کیوں نہیں گیا۔۔۔۔

رکی کا ہاتھ تختی پر سے ہٹایا نہیں جا رہا تھا، وہ جیسے اس کو کندھے سے ہلا کر پوچھ رہی ہو ــــ "یہ تمہیں کیا ہوا؟ میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں پڑھا تھا۔۔۔۔۔ اور تم ایک جھوٹے گواہ کی طرح مکر گئی ۔۔۔۔"

اور پھر جیسے تختی سے باتیں کرتے ہوئے، رکی کا دھیان اسی تختی کے دوسرے حصے کی طرف گیا ــــ وہاں بھی فتح گڑھ لکھا ہوا تھا، مگر ــــ پی ایچ اے ٹی ای ایچ -

"کیل! دیکھ!" رکی اچنبھے سے ڈر گئی، "میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔۔۔"

اور رکی غلط نہیں تھی۔۔۔۔

میں بھی زندگی کی ایک تلخ حقیقت کی طرح سچا تھا، ایک بہت بڑی دلیل کی طرح سچا تھا۔۔۔

دل کا کوئی بھی درد کبھی غلط نہیں ہوتا۔۔۔۔
مگر ہم دونوں جیت کر بھی نہیں جیتے تھے۔۔۔۔

یہ تختی صرف ایک کھیل تھا، مگر کیا یہ زندگی کی اس عجیب بناوٹ کا عکس نہیں تھا، جو ہر طرف سے علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہے، مگر جس کو جو جس طرف سے بھی دیکھتا تھا اس کو سچائی مان لیتا تھا۔۔۔

بس یہ رکی کی آخری ملاقات تھی۔اس دن شرطیں جیت کر نہ جیتنے میں دوپہر ہو گئی تھی۔نانی کے گاؤں پھر دوسرے یا تیسرے دن جانے کا خیال کر کے میں وہیں سے ہی رکی کو ساتھ لے کر شہر واپس لوٹ آیا تھا۔اس کا دوسرے یا تیسرے دن پاسپورٹ بن گیا ہو گا،اور وہ اپنے بچے کو اس کے باپ کے پاس لے گئی ہو گی،بس اس اندازے سے زیادہ اور کچھ پتہ نہیں۔۔۔۔

اندازہ۔۔۔۔۔

محسوس ہوتا ہے ــــــ میری اور رکی کی زندگی ہمیشہ اس ایک لفظ کے گرد گھومتی رہی ہے۔۔۔

اس دن جب ونش پونڈ گیم جب کھیلی جا رہی تھی،رکی کا نام مس کریلیش رکھا گیا تھا،اور رکی نے گھبرا کر کسی کا کسی کا ہاتھ پکڑنا تھا ــــــ میرا پکڑ لیا۔کچھ سوچ کر نہیں،ویسے ہی اندازے سے۔۔۔۔

رکی جب ماں باپ کی سختی سے گھبرائی تھی،کسی پر اعتبار کے لیئے اس کو سخت ضرورت تھی ــــــ اس اعتبار کے لیئے اس نے مجھے چُنا تھا،میرے متعلق کچھ معلوم کر کے نہیں،ویسے ہی اندازے سے۔۔۔۔

رکی کے اندر ایک دن جب بغاوت پھوٹ پڑی تھی،اس نے تنویر کی طرح جلاوطن ہونے کا سوچا تھا،اور اس نے ریتلے راہوں کے لیئے انہوں نے میرے وجود کو اسی طرح یقین سوچ لیا تھا جیسے اپنے وجود کو۔معلوم نہیں کیوں،شاید یہ اعتبار لفظ اس کی اور میری تقدیر تھا۔۔۔۔

رکی کو بغاوت راس نہیں آسکتی تھی، اس لیئے وہ خاموش ہوگئی، مگر جیب کا جو درد ہوتا ہے، اس نے آدھا آدھا کر دیا، اور اپنے حصہ کا اپنے پاس رکھ کر، میرے حصے کا مجھے بھیج دیا۔ اس نے بھروسے سے ساتھ بھیجا تھا، میں نے بھی فخر کے ساتھ قبول کر لیا۔۔۔ یہ اعتبار کیا ہے؟

ہم راستے میں ملے تھے —— سڑکوں پر، میں اور رکی وہاں سے وہاں کھڑے ہیں، مگر سڑکیں کہیں کی کہیں پہنچ گئی ہیں۔۔۔۔

اب جب ایک دن، ایک سڑک جب دوسری سڑک کے قریب سے گزری، میں نے رکی کو دیکھا، رکی نے مجھے، تو دونوں کو محسوس ہوا —— ہم وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔۔۔۔

رکی نے پھر اپنا ہاتھ بڑھایا، میں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا، مگر اتنے میں سڑکیں پھر تیزی سے چل پڑیں۔ اور اب اپنی سڑک پر کھڑے ہوئے، مجھے دور دور تک بھی رکی کی سڑک دکھائی نہیں دیتی۔۔۔۔

اس دن —— جب فتح گڑھ سے واپس آکر، پھر واپس شہر آکر، رکی کو ایک ہوٹل میں چھوڑا تھا، تو رکی نے اچانک کہا تھا —— کپل! تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کبھی کچھ نہیں سمجھتے۔۔۔۔

جواب دیا تھا "تمہیں فش پونڈ گیم والا دن یاد ہے؟"

"یاد ہے" اس نے کہا تھا۔

تو میں نے اس کو بتایا تھا "اس دن جب تم نے ایک مذاق کی کنڈی میں پھنسی ہوئی ایک مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی تھی، تم نے اچانک میرا ہاتھ پکڑا تھا، اس وقت

مجھے محسوس ہوا تھا ـــــ جیسے اچانک ایک مچھلی میری ہتھیلی پر آپڑی ہو۔۔۔"

رکی ہنسنے لگی، پوچھنے لگی، "پھر اور کیا محسوس ہوا تھا؟"

بتایا، "میرے ہاتھوں میں ایک حرکت آنے لگی تھی ـــــ تمہارا ہاتھ پکڑنے کی، مگر وہ حرکت میں نے روک لی تھی۔"

"کیوں؟" رکی نے پھر پوچھا۔

جو اس دن مجھے محسوس ہوا تھا، میں نے رکی کو کبھی نہیں بتایا، اب اتنے عرصے کے بعد بتایا، "مجھے محسوس ہوا تھا، اگر میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا، تو اپنا ہاتھ مجھے اس کنڈی کی طرح لگے گا، جو ایک مچھلی کو اپنے میں پھنسا رہا ہو۔۔۔ یہ مجھے منظور نہیں تھا۔۔۔"

رکی میرے کاندھے کے بالکل قریب کھڑی تھی، اتنی قریب کہ وقفہ وقفہ کے بعد اس کی سانس میرے کاندھے کو چھو رہی تھی۔ یہ اس دن والی بات سن کر، اس نے نہ معلوم کس طرح کی سانس بھری، کہ وہ ایک ہی سانس میرے کندھے میں سے گزر کر میرے بازو میں پھیل گئی ـــــ سارا بازو گرم سا ہو گیا۔۔۔

"پھر کبھی؟" رکی نے ہی یاد دلایا ـــــ کہ اس دن والی بات ابھی اور بھی سنانی باقی ہے۔

"کچھ نہیں" "میں پوری نہیں تھوڑی سی گم ہوئی ہوش میں تھا۔ یہ دن بھی شاید اس پرانے دن کا ایک اور حصہ تھا ـــــ اس کا بقایا حصہ، مگر موم بتی کے آخری سرے کی طرح بھڑکا ہوا۔۔۔ اس دن صرف ہاتھ میں حرکت آنے لگی تھی ـــــ رکی کا ہاتھ پکڑنے کی، مگر آج ایک حرکت تھی، جو میرے انگ انگ میں آنا چاہتی تھی۔۔۔

مگر جس سورج کے ساتھ رکی کو پہلی دفعہ دیکھا تھا ـــــ وہ سورج بھی میرے انگ

انگ کا حصہ بھی۔ اسی سوچ نے میرے انگ انگ اوپر پانی کا چھڑکاؤ سا کیا — اور میں نے کہا، "اس دن تمہارے پتلے اور نرم ہاتھ کے نیچے آرام سے پڑا ہوا میرا ہاتھ مجھے تالاب کا ہی ایک حصہ معلوم ہوا تھا، پانی میں پڑا ہوا پانی کا ایک حصہ۔ اور میں نے سوچا تھا — جہاں تم ایک مچھلی کی طرح آنے کے لیئے آزاد تھیں، اور جانے کے لیئے بھی ....."

"او خدایا" لڑکی نے کہا، اور ٹکٹکی لگا کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں شاید جواب میں ہنس دیا تھا، کہا تھا، "اگر میں ایک مچھلی پکڑنے والی کنڈی بن جاتا، تمہیں اچھا لگتا؟"

"نہیں کیمل" "تم پانی کے تالاب ہو" لڑکی نے جواب دیا، اور کہا — "یہی تمہاری خوبصورتی کا بھید ہے — اور شاید اسی کے ساتھ مجھے عشق ہے، مگر مجھے بتاؤ کہ اس مچھلی کا کیا ہو، جس کے لیئے اس پانی میں نہ آنے کی آزادی ہے، نہ جانے کی ..."

جواب میں میری آنکھیں بند سی ہو گئیں — سامنے لڑکی کا وہ سوال تھا، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا، نہ میرے پاس، نہ لڑکی کے پاس، نہ کسی اور کے پاس ...

"تمہیں علم ہے — ایک دن میں نے تمہیں ایک بہت لمبا خط لکھا تھا ..." لڑکی نے اچانک کہا۔

"پھر —"

میں اپنے کمرے میں تھا — خط کی سطروں میں ڈوبی ہوئی — پتہ نہیں تمہیں کیا کیا بتا رہی تھی، اور تم سے کیا کیا پوچھ رہی تھی — کہ اچانک کانوں میں آواز پڑی — کمرے سے باہر، میرے دروازے کے آگے میرا باپ پہرے دار کی طرح چل رہا تھا — پندرہ بیس فٹ کے برآمدے میں کبھی بائیں طرف سے دائیں طرف، کبھی دائیں سے بائیں۔

"پھر؟"

اس کے پاؤں میں نہ معلوم کس قسم کے بوٹ تھے — کہ آواز ایک سانس اور لگاتار چل رہی تھی —— مجھے محسوس ہوا — کہ میرا خط زمین پر پھیلا ہوا تھا، اور وہ ایک ایک حرف کو بوٹوں کے نیچے کچل رہا تھا...."

رکی نے بہت تھک کر ایک آہ بھری، اور کہنے لگی، "میں نے خط کو حرف پھاڑا نہیں اس کا پرزہ پرزہ اٹھا کر غسلخانے میں لے گئی .... کیوں کیل! اس کو کسی کے بوٹوں تلے کچلے جانے کی بجائے اپنے ہاتھوں پانی میں بہا دینا اچھا نہیں تھا؛ مجھے علم تھا کہ وہ تم تک پہنچنے سے پہلے ضرور ان بوٹوں کے نیچے آجائے گا.... میں جب سوئی ہوئی ہوتی تھی، یا غسلخانے گئی ہوتی تھی، تو میرے کمرے کی ایک ایک چیز کی تلاشی لی جاتی تھی...."

"کاش —— چیزیں تلاش کرنے والے کبھی کسی کے خواب بھی تلاش کر سکتے ...."

رکی کو کہنے لگا تھا، مگر کہا نہیں۔ محسوس ہوا۔ اس کو اس کا مجھ سے بھی زیادہ علم تھا....

بس یہی کچھ جذبات تھے، جو ہمارے حصے آئے تھے۔ میرے حصے بھی، اور رکی کے حصے بھی....

اور شاید آگے بھی —— جب عمروں کی سڑکیں چلتے چلتے، کہیں کی کہیں پہنچ جائیں گی، ہم اسی ایک لفظ "اندازے" کے گرد گھومتے رہیں گے .... یا ہم کھڑے رہیں گے، اور یہ لفظ ہمارے گرد گھومتا رہے گا....

کچھ عجیب میرے ساتھ گزرتا رہتا تھا، روزانہ نہیں، اکثر، مگر ٹھیک اس وقت جب رات آدھی گزر چکی ہوتی تھی، اور آدھی گزرنے والی ہوتی تھی....

ایک کمرہ، جس میں دو چارپائیاں اور ایک پنگھوڑا.... ایک چارپائی پر میری ماں سوئی ہوئی، ایک چارپائی پر میرا باپ، اور میں پنگھوڑے میں سے اتر کر کبھی ایک چارپائی کی طرف جاتا ہوں، کبھی دوسری کی طرف.... اپنی چھوٹی سی ہتھیلی سے کبھی اپنی سوئی ہوئی ماں کا چہرہ چھوتا ہوں، کبھی دوسری چارپائی کی طرف مڑ کر سوئے ہوئے باپ کے مُنہ کو.... دونوں میں سے کوئی نہیں جاگتا.... اور پھر ایک دفعہ جب ماں کی چارپائی کی طرف سے مڑ کر اپنے باپ کی طرف منہ کرتا ہوں — تو وہاں کوئی چارپائی نہیں ہوتی... میں ڈر کر رو پڑتا ہوں.... ماں جاگ پڑتی ہے اور مجھے جلدی سے زمین پر سے اُٹھا لیتی

ہے....

چوبیس سال کی عمر تک اس آدھی رات کے خواب سے میں اتنا واقف ہو چکا تھا، کہ اس کو میں اپنا "مڈنائیٹ وِژن" کہہ کر، اپنے آپ کو مذاق کر سکتا تھا....

میری ماں اور باپ کے درمیان طلاق کی وجہ مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آئی (میں اکثر ماں کے پاس رہتا ہوں، مگر جب کبھی دل کرے، کچھ دن باپ کے پاس بھی رہ آتا ہوں۔ دونوں میں سے کبھی کسی نے، کسی کے خلاف کچھ نہیں کہا، صرف دونوں کے درمیان ایک برف کی چپ جمی ہوئی لگی تھی) اس لیئے میں نے بھی آہستہ آہستہ اس چپ کو قبول لیا تھا۔ اس کی وجہ کو سمجھنے کا خیال چھوڑ دیا تھا۔ صرف کبھی کبھی آدھی رات کو آنے والا یہ خواب تھا، جس سے میں سوچ لیتا تھا، کہ میرے دل میں ابھی بھی کچھ تھا، جس نے میرے ماں باپ کی علیحدگی کو قبول لینے سے اٹکایا ہوا تھا....

یہ کبھی کبھی آدھی رات کو جو کچھ گزرتا تھا، آسان نہیں تھا، مگر یہ کوئی ایسا بھید نہیں تھا جس کو میں سمجھ نہیں سکتا تھا....

مگر یہ سب صرف کچھ دنوں سے نہ سمجھنے والا بن گیا تھا....

یہ مڈنائیٹ وِژن، شکلیں بدل چکا ہے....

ایک کمرہ اسی طرح ہوتا ہے، اسی طرح ایک کمرے میں دو چارپائیاں، اور ایک پنگھوڑا، مگر ایک کمرے، پر لڑکی سوئی ہوئی ہوتی ہے، اور دوسری چارپائی پر اس کا خاوند (جو میں نے دیکھا ہوا نہیں) اور پنگھوڑے میں لڑکی کا بچہ (جس بچے کو بھی میں نے کبھی نہیں دیکھا)....پھر وہ بچہ پنگھوڑے میں سے اتر کر، کبھی ایک چارپائی کی طرف جاتا ہے، کبھی دوسری چارپائی کی طرف، اور پھر اپنی چھوٹی سی ہتھیلی کے ساتھ کبھی اپنی سوئی ہوئی ماں کے منہ کو ٹٹولتا ہے، کبھی اپنے باپ کے منہ کو.... دونوں میں سے کوئی نہیں جاگتا، پھر کمرے میں سے دونوں چارپائیاں غائب ہو جاتی ہیں، اور وہ بچہ خالی کمرے میں خوف سے رو پڑتا ہے....

عجیب مسٹری ہے ....مگر شاید ٹرانسپیرینٹ مسٹری ....

سوچتا ہوں ـــ رکی کے بچے کا گمنہ سوچ کر جب میں اس کو دلاسا سا دیا تھا "میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا، مگر میں تم سے کچھ نہیں چھینوں گا...." کیا میں سچ مچ اس کی قسمت کو ـــ کہیں، کسی جگہ سے ـــ کچھ بچایا تھا؟

شاید اپنے جیسا ہونے سے بچایا تھا، مگر کیا اس کا، میرا جیسا نہ ہونا ہی، اس کا بچاؤ ہے؟ کیا کسی درد کا نام بدل دینے سے وہ درد ختم ہو جاتا ہے؟

کیا کوئی انسان اس وقت ہی غیر حاضر ہوتا ہے، جب وہ ایک کمرے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے، کیا وہ اسی جگہ اور اسی طرح بیٹھا ہوا غیر حاضر نہیں ہوتا؟

کبھی کبھی کچھ باتیں عجیب طرح یاد آتی ہیں...عجیب اس لیے کہ ہو بہو اسی طرح دکھائی دیتی ہیں ... جیسے ہیں، اور کچھ اس طرح بھی ـــ جیسے میں ایک جانی پہچانی چیز کو کسی نئے زاویئے سے دیکھ رہا ہوں، اور اس کی خوبصورتی میرے اوپر ایک وہ اثر ڈال رہی ہو، جس سے میں پہلے واقف نہیں ہوں ـــ یہاں خوبصورتی لفظ ضروری نہیں، اس کو بڑی آسانی سے بدصورتی بھی کہا جا سکتا ہے۔

اور یہ سب کچھ ایک بے ترتیبی میں یاد آتا ہے ... یا شاید ایک اس ترتیب میں، جو ہر بے ترتیبی کی نچلی تہہ میں ہوتی ہے .... دن میں سلسلہ وار گزرے واقعات کو رات کو خواب میں بڑی الٹ پلٹ حالت میں دیکھنے کی طرح، جو اس وقت گھڑی بن کر دھوبی کی بھٹی میں پڑے ہوئے ہوں ـــ اور جہاں کسی پتلون پر کوئی تولیہ لپٹا ہو ...کسی قمیض کے بازوؤں پر جانگیہ پڑا ہو ...یا کسی جانگیے کے اوپر کوئی سرہانے کا غلاف ...

یاد آ رہا ہے ـــ جس وقت ہماری آسیب زدہ حویلی، یعنی ہمارا شانتی بھون، گرایا

جارہا تھا ___ اس دنوں ہم ہنری ملر کی کتاب پڑھ رہے تھے، اور عجیب اتفاق تھا کہ اس کتاب میں کچھ آرٹسٹوں کے وہ تنگ گھر گرائے جا رہے تھے، جہاں سیوڑ رہ پینٹ کیا کرتے تھے، اور وہاں ان گھروں کی جگہ ایک بہت خوبصورت مارکیٹ بننے والی تھی، جس کے تصور ملر کی ایک سطر تھی ___

ڈیر ویل بی نیمن لٹ شاپ ونڈوز

ٹُو اِن سپائر دی آرٹسٹ ٹُو پینٹ

آر مور لائیکلی، پر سوایڈ ہم ٹُو کمٹ سوائے سائیڈ....

اس وقت وہ سطر، ہم سب کو محسوس ہوا تھا کہ ہمارے لیئے ہے، ہم تینوں کو بھی جو ہم وہاں رہتے تھے، اور ان تمام کو بھی، جن کی وہ شام گاہ تھی۔ اس وقت کسی کو کسی کا بھی حشر پتہ نہیں تھا ___ مگر جیسے یہ سطر ہوا میں لٹک رہی تھی....

میں یہ نہیں سوچتا کہ حویلی کے حشر کے ساتھ کسی کے حشر کا کوئی تعلق تھا، مگر پھر بھی یہ سطر جب اس وقت وہ سچ معلوم ہوتی تھی، اس سے بھی زیادہ اب سچ معلوم ہوتی ہے....

شاید یہ اپنے معنوں کے چھوٹے سے دائرے سے باہر نکل آئی ہے، بہت بڑے پھیلاؤں داخل ہو گئی ہے .... دنیا کے ہر شہر کی نئی عمارتیں ... نئی روشن کھڑکیاں، اور ان میں چمکنے والی نئی چیزیں، اور انسان کا جینا اور بھی مشکل ... اور بھی مشکل ... اور بھی مشکل ...

جتنے نئے ائیر پورٹ، اتنے نئے پاگل خانے ...

آج پاگل ہیرو کی ایک بات یاد آئی ہے ___ ایک دفعہ ہم بہت سارے لڑکے این۔ سی۔ سی کی ٹریننگ لینے کے لیئے گئے ہوئے تھے، وہاں ایک کیمپ کے باہر وہ بالٹیاں پڑی ہوئی تھیں، جن پر بڑے موٹے اور لال لفظوں میں لکھا ہوا تھا ___ فائر۔ ہیرو نے جیب میں سے

ایک سگریٹ نکال کر بالٹی کے لفظوں سے جوڑا، کئی کش لگائے، مگر سگریٹ نہ سلگی، اور ہیرد حیران ہوکر ہم سب کو کہہ رہا تھا ——— "عجیب بات ہے، یہ آگ اگر سگریٹ بھی نہیں سلگا سکی تو اور کیا سلگائے گی ....

ہم سب، اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے تھے ....

مگر آج سوچتا ہوں ——— کہ کیا سماج اور ثقافت کا سارا پھیلاؤ، آگ کی اصلی لاٹ کی جگہ صرف موٹے اور لال رنگ میں لکھے ہوئے آگ کے ایک حرف کی طرح نہیں، جس کے ساتھ ہم کچھ بھی نہیں جلا سکتے"؟

ہیرد ٹیب فنی کرسی ایجر تھا ——— ان دنوں ملک کے صدر کی موت ہوئی تھی۔ نئے صدر کے چناؤ میں وقت لگنا تھا ——— اس لئے درمیانی عرصے کو پُر کرنے کے لئے کوئی عارضی صدر بنا تھا ——— اخبار کی یہ تازہ خبر معلوم نہیں ہیرد کے دماغ میں کس طرح کی چھائی ہوئی تھی، کہ ان دنوں میں ہی جب ربی کی والدہ فوت ہوگئی، ہم تمام دوست ربی کے باپ کے پاس افسوس کرنے کے لئے گئے، تو راستے میں بات ہوئی کہ ربی کے باپ کو جلد ایک اور شادی کرنا پڑے گی، کیونکہ اس کے تین بچے ابھی بہت چھوٹے تھے، اور ان کو سنبھالنے والی کوئی نہیں تھی ——— تو ہیرد نے وہاں پہنچ کر، بڑا افسوس کرنے کے بعد یہ کہہ دیا ——— "انکل! چھوٹے بچوں کی خاطر آپ کو شادی تو کرنا پڑے گی۔ مگر جب تک نہیں کرتے اس وقت تک کوئی عارضی بیوی رکھ لیں، عارضی صدر کی طرح ...."

ہم سب شرمندہ ہوگئے تھے، سوچ رہے تھے ——— کہ اگر ہم کو علم ہوتا کہ ہیرد اس طرح کی بدتمیزی کرے گا، تو ہم ہیرد کو کبھی ساتھ نہ لاتے ....

مگر آج یہ بات یاد آئی ہے تو لگتا ہے ——— کہ ہیرد نے کچھ بھی غلط نہیں کہا تھا ....

کسی کا کوئی رشتہ اپنی اصلی شکل میں کہاں ہے؟ اپنے پورے حق کے ساتھ؟ اور اپنی پوری ضرورت کے ساتھ؟ اور پورے وقت کے لئے پوری جگہ پر قبضہ کر کے بیٹھا ہوا؟

روبی کا ایک کزن ہوتا تھا، اس کا نام شاید سنیل تھا، اس کو اپنے باپ سے بہت بڑی شکایت تھی، کہ اس نے اس کی والدہ کی موجودگی میں، ایک اور عورت سے ناجائز تعلق تھا، مگر جس دن اس کے باپ کی موت ہوئی، اسی رات اس 'اور عورت' نے زہر کھا لیا تھا، وہ کمبخت ایک دن بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی، جس کے ساتھ اس کا رشتہ ہی ظاہر نہیں تھا — یہ ناجائز کس طرح کا جائز تھا؟ ہم دور کھڑے یہ خبر سننے والے بھی اتنے ہی پریشان ہوئے تھے، جتنا خود سنیل... وہ بھی یہ سب کچھ سوچتا رہ گیا تھا...

یہ سب کچھ — دھوبی کی بھٹی میں گچھا ہو کر پڑے ہوئے کپڑوں کی طرح ہیں... مگر فرق یہ ہے، کہ وہ کپڑے بھٹی میں سے کچھ دیر بعد نکل آتے ہیں اور تہہ کر کے دوبارہ تہہ کر کے دوبارہ پہننے سے رکھ دیئے جاتے ہیں — اور یہ سب کچھ پتہ نہیں کس طرح کی بھٹی میں پڑ گیا ہے، کبھی باہر نہیں نکلتا...

یہ ہمارا زندہ رہنے کا کچھ حق تھا، ہمارے خواب — جو کسی ماں نے، کسی باپ نے، کسی محبوب نے، یا تعلیمی ادارہ بنانے والے نے، یا سماجی بناوٹ والے کسی نے، یا سیاسی ڈھانچہ بنانے والے کسی نے — ایک دھوبی کی طرح ہم سے لئے تھے کہ وہ ان کو دھو کر استری کر کے ہمارے پہننے کے قابل بنا دے کر ہم کو واپس کر دے گا.... مگر سب کا سب کچھ گچھا ہو کر معلوم نہیں کس طرح کی بھٹی میں پڑ گیا ہے، جو باہر نہیں نکلتا...

اور اپنے خوابوں کے بغیر ہم سارے یوں شرمندہ سے بیٹھے رہتے ہیں، جیسے کوئی ننگے کپڑوں کے بغیر بیٹھا ہو...

عرصہ گزرا — شیریں نے ایک خط لکھا تھا، "وکیل! کبھی محسوس ہوتا ہے، کہ پہننے کے

لیے بہت کچھ ہے، اگر کبھی محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے کو کچھ نہیں رہا... بلکہ میں روپے کی قیمت گر چکی ہے، مگر یہ اب کی بات ہے، بہت تھوڑے دنوں کی۔ مگر میں تمہیں ایک بہت پرانی بات بتاؤں؟ معلوم نہیں کب کی، مگر اس وقت کی جب خوابوں کی قیمت گری تھی، سورجوں کی قیمت گری تھی، اور انسان کے ماتھے پر آنے والے پسینے کی قیمت گری تھی... اور کیا کیا بہت چیزیں ہیں... جن کی قیمت گری تھی — شاعری کی، مصوری کی، پھولوں کی، اور ہونٹوں کے سانسوں کی...."

کمبخت شیریں....

شیریں میری کچھ بھی نہیں، مگر محسوس ہوتا ہے کہ شیریں میری کمزوری ہے... اور شاید صرف میری نہیں، میری طرح کے ہر انسان کی کمزوری ہے...

ہر ایک —— جب چھاتی میں بہت سے خواب، اور ماتھے پہ بہت سے سورج لے کر گھر سے زندگی کو خریدنے نکلتا ہے، اور زندگی کے بازار میں زندگی کی قیمت سنتا ہے، تو اس کی چھاتی میں چھنکتے سب سکے بے کار ہو جاتے ہیں.... اور جب وہ سگریٹ پیتا ہوا زندگی کے بازار میں سے خالی ہاتھ واپس مڑتا ہے، تو شیریں جیسے ہر موڑ پر کھڑی اس کو کہہ رہی ہوتی ہے — "میں نے تمہیں بتایا تھا —— ان سب سکوں کی قیمت گر چکی ہے — میں نے تمہیں بتایا تھا...."

کبھی کبھی چاچا جی یاد آتے ہیں —— اپنے کتے کو کہہ رہے ہوتے ہیں "سٹ ڈاؤن... شٹ اپ... سٹ ڈاؤن... شٹ اپ..."

ہم میں سے کون ہے، جس کے اندر کتے کی طرح کچھ بھونکتا نہیں، اور جس کے اندر جو بھی کچھ اٹھتا ہے، وہ بیٹھتا نہیں....

مجھے یقین ہے —— ونود، پاگل خانے کی سلاخوں کو پکڑ کر ضرور بہت زور سے چیختا

ہوگا... تنویر، اپنے جیل خانے کی کوٹھڑی میں سر ٹپک کر رہ رہا ہوگا، اور دن میں اپنی خالی کینوس دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہوگا... شیریں... رکی... میں... سب خاموش نظر آتے ہیں، مگر کیا ہماری خاموشی بھی ہماری چھاتی میں کتے کی طرح بھونکتی نہیں؟

ہم —— ہم شور کو، ہر سائے کو دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ معلوم نہیں کس کو کیا کہنا چاہتا ہوں، (شاید کہنے کے لیے جو کچھ تھا، اس کو کسی نے نہیں سنا، اس لیے سب کچھ ہمارا بھونکنا بن گیا ہے) اور جو کچھ ہمارے اندر اٹھا تھا، اب پتہ ہے —— اس کو کہیں سے چل کر کہیں نہیں پہنچنا۔ مگر وہ یہی بھی سمجھتا نہیں... اور زندگی کا ہیڈ رن، چاچاجی کی طرح ہم سب کو کہہ رہا ہے "سٹ ڈاؤن... شٹ اپ... سٹ ڈاؤن... شٹ اپ..."

اختتامیہ

میری نوکری عارضی تھی —— اس ہفتہ مدت پوری ہو گئی ہے —— اس لیے میں مستقل نوکری کی تلاش میں ہوں . . .

تنویر کی نوکری بھی کچی تھی —— یعنی اس کو عمر قید نہیں تھی —— مگر اس ہفتہ پکی ہو گئی ہے۔ اس کی قید دگنے برسوں میں بدل گئی ہے . . . (دس برس کے بعد جب رہا ہوگا، عمر کے باقی برس قیدی زندگی کی پنشن کی طرح سے ہوں گے۔)

محسوس ہوتا ہے —— جو کچھ کچا ہونا چاہیئے تھا، وہ پکا ہو گیا ہے۔ اور جو کچھ پکا ہونا چاہیئے تھا، وہ کچا ہو گیا ہے . . . .

میرا قصور یہ تھا کہ میں نے کام میں ضرورت سے زیادہ محنت کی تھی، اور سرکاری عملہ یوں آنکھیں مل رہا تھا، جیسے میں اس کی آنکھوں میں تنکے کی طرح پڑ گیا ہوں۔ اور پھر ایک کے بعد ایک حادثہ ہوتا گیا —— ڈیم بن رہا تھا، میں نے معائنے کے لیئے جانا ہوتا تھا۔ دیکھا

تھا کہ سیمنٹ کی مقررہ بوریوں کی گنتی ہر دن بڑھ رہی تھی، اور پھر اس بات کے پیچھے پڑ گیا کہ رپورٹ والی فائل پر ایکشن بھی لیا جائے۔۔۔ اور جس انجینئر کی لمبی بیماری کی وجہ سے، اس کی طویل رخصت کے وقت، اس کی جگہ میں مقرر ہوا تھا، اس کو تاریں دے کر بلایا گیا۔ اس کی بقایا چھٹی منسوخ کی گئی، کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا تھا۔۔۔ اور مجھے ریلیز آرڈر دیا گیا۔

کام چلتا نہیں تھا، یا رکتا نہیں تھا، اس بارے کچھ بھی کہنے کا مطلب نہیں، یا اس کا مطلب وہ ہے، جو کسی کی پکڑ میں نہیں آ سکتا۔ جو پکڑ میں آ سکتا ہے، وہ صرف اتنا ہے ۔۔ میرے لیئے ریلیز آرڈر۔۔۔

تنویر کو ریلیز آرڈر کی جگہ، ڈیتھ آرڈر ملا ہے۔ کمبخت نے جیل میں ایک نظم لکھی، اور کسی طرح جیل میں سے سمگل کروا کر باہر کسی اخبار کو بھیج دی۔

پچھلے ہفتہ نظم چھپ گئی، اور نظم پر لکھا اس کا نام بھی۔

نام تنویر نہیں تھا، ورنہ جس وقت نظم چھپی تھی، میں اسی وقت اس کا حشر سمجھ جاتا۔ نام کی جگہ لکھا ہوا تھا ـــــ قیدی نمبر ۹-۹-۶۸۔

میں نے اخبار میں سے نظم والا ٹکڑا کاٹ کر، اپنی ڈائری میں رکھ لیا تھا۔ تنویر کی نظم سمجھ کر نہیں، کسی قیدی نمبر ۹-۹-۶۸ کی نظم سمجھ کر۔

ویسے میں نظم پڑھ کر بھی چونکا تھا، اور قیدی کا نمبر پڑھ کر بھی ـــ محسوس ہوا تھا جیسے یہ نمبر میں پہلے بھی کہیں پڑھ چکا ہوں، اور پھر اسی رات کچھ کتابیں پڑھتے ہوئے میں نے ڈھونڈا تھا کہ یہ نمبر گورکی کی قید کے وقت، اس کا قیدی نمبر تھا۔ اس لیئے میں نے سوچا۔ جس قیدی نے یہ نظم لکھی تھی، وہ ضرور بہت پڑھا لکھا ہوگا۔ (ویسے نظم سے بھی یہ ظاہر تھا) اور اس نے اپنا اصلی قیدی نمبر دینے کی جگہ گورکی کے قیدی نمبر کو آئیڈیل بنا کر استعمال کیا ہوگا۔۔۔۔

مگر آج اخبار میں خبر آئی ہے — کہ نظم کے ساتھ چھپا قیدی نمبر، قیدی کا اصل نمبر تھا۔ اس لیئے اس کا اصلی نام بہت جلدی ڈھونڈ لیا گیا تھا۔ اصلی نام تنویر ہے، اور اس نظم کے لکھنے کے جرم میں، اور پھر اس کو جیل سے باہر کسی اخبار کو بھیجنے کے جرم میں اس کی سزا دگنی کر دی گئی ہے....

نظم کو پھر ڈائری میں سے نکال کر پڑھ رہا ہوں — میں نے اس کی سطروں میں سے تنویر کو کیوں نہیں پہچانا...

نوٹ بڑا صاف ہے، "آج جیل کا داروغہ جب بیرونی برآمدے میں آرام کر رہا تھا، اس کا ٹرانسسٹر بج رہا تھا، کبھی آواز آتی تھی، سہگل کا گیت سنو، اور پھر جب گھٹتے والا سہگل کی آواز میں ڈوب رہا ہوتا تھا، تو آواز آتی تھی، ہمارا نیا بنا ہوا صابن استعمال کرو، اس کا جھاگ بہت سفید ہے... تو پھر کوئی غالب کی غزل، اور پھر کبھی ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار... میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا تھا، کچھ بھی کہنا نہیں چاہتا تھا، مگر کچھ سے، مجھ سے بھی تنگ ہو کر ایک نظم لکھی گئی ہے...."

اور اس نوٹ کے نیچے ایک نظم ہے — دکھ رشل سرکس، میں اس کی ایک ایک سطر کو آج پھر پڑھ رہا ہوں۔ جیسے تنویر سے باتیں کر رہا ہوں....

نہیں، میں خاموش ہوں، صرف تنویر بول رہا ہے اور — میرے ہاتھ میں صرف نظم کا کاغذ نہیں، ایک ٹرانسسٹر ہے — جو ابھی ایجاد نہیں ہوا...

اور ٹرانسسٹر میں سے آواز آ رہی ہے — بورٹ فولیو ویو... منسٹری میٹر...

بورٹ فولیو ویو... منسٹری میٹر...

نئے منصوبے کا گانا ایک نیا گانا سنو: ایک ہزار نئے کارخانے۔ غیر ملکی مشینیں خریدو، ان کا پرمٹ میرے بیٹے کے نام ہے۔ اب سب کی لیبنز کا ایک گیت سنو: کھیتی باڑی کی پیداوار تین گنا، ٹریکٹر خریدو، ان کی بلیک صرف دو گنا ہوتی ہے نئے سیشن کا بھاشن سنو:

میرا سب کچھ دیس پر قربان، صرف دولت غیر ممالک کے بنکوں میں ہوتی ہے۔

اب سنو غالب کی نظم جیسی —— مطالبے، ہڑتالیں، مظاہرے۔ اس پہلی تاریخ سے صرف ڈیڑھ گنا ٹیکس بڑھے گا۔ ایک ضروری اعلان سنو: آج کی بحث کا ایجنڈا تھا:

—— ٹوٹل ایجوکیشن، ٹوٹل ایمپلائمنٹ

اس لیئے بل پاس ہو گیا ہے —— ٹوٹل پروہیشن۔ آخر میں خبریں سنو: ہر صوبے نے فیصلہ کیا ہے، کہ گاڈ، گاڈ، زندوں کا کیا ہے، مُردوں کی برسی مناؤ! اب اس وقت جناؤ کا وقت ہے، اجازت دو، نئے الیکشن کے بعد ہم پھر تمہاری خدمت میں حاضر۔۔۔

تنویر ہنس رہا ہے —— اور بول رہا ہے ... ہنس کتے کی طرح بھونک رہا ہے ...

"پانچ برس کی جگہ دس برس قید" کوئی اس سے بھی اونچا کہہ رہا ہے" اور کہہ رہا ہے"

دوسٹ ڈاؤن ... شٹ اپ ... سٹ ڈاؤن .... شٹ اپ ....

یہ کچھ بھی سمبالک نہیں۔ اخبار میں تنویر کے کیس کی پوری رپورٹ ہے، کہ جب کچہری میں تفتیش کے لیئے تنویر کو پیش کیا گیا تو تنویر نے بالکل انکار نہیں کیا، کہ یہ نظم اس کی نہیں، بلکہ یہ فخر کر ساتھ اس نے کہا، "گورکی نے جیل میں ایک ناول لکھا تھا، میں نے جیل میں ایک نظم لکھی ہے، دیر ہو، میرا قیدی نمبر بھی وہی ہے، جو گورکی کا تھا، یہ نمبر بہت لکی ہے ..." تب کچہری میں جو آواز سب سے اونچی تھی، وہ میز پر ہاتھ مار کر چیخ اٹھی تھی —— "شٹ اپ"

یس وی آر آل ڈاگز ... بٹ سلیوٹ ٹو دی بارکنگ ونر ...

اور اختتامیہ

مدت کے بعد آج شیریں کا خط آیا ہے، لکھا ہے "کپل! صبح سکول میں کلاس لے رہی تھی، کہ یہ حادثہ ہو گیا۔ باہر نہیں، میرے اندر۔ سامنے بورڈ پر دنیا کا نقشہ لگا ہوا تھا — یعنی دنیا بھر کے راستے سامنے بچھے ہوئے — اور ہر راستے کے شروع میں اس کا نام گڑا ہوا — اور مجھے محسوس ہوا جیسے ہر نام ایک سُولی کی طرح گڑا ہو — اور جس پر ہر راستہ سُولی چڑھا ہو.... اور اب کہیں بھی کوئی جیتا جاگتا راستہ نہیں۔ ساری دنیا میں صرف راستوں کی لاشیں بچھی ہوئی ہیں.... کپل! کوئی مردہ پاؤں سے زندہ راہوں پر کس طرح چلے؟ اور میں مردہ راہوں سے گھبرا کر نہیں، اپنے زندہ پاؤں سے گھبرا کر سکول سے چھٹی لے لی، اور گھر آ گئی.... اس وقت بہت گہری رات ہے، میں سارا دن اپنے پاؤں کی طرف دیکھتی رہی ہوں، اور سارا دن سوچتی رہی ہوں کہ یہ میرے پاؤں اتنے زندہ کیوں ہیں؟ اگر پاؤں زندہ ہیں، تو کوئی راستہ کیوں زندہ نہیں؟

اگر راستے مر گئے ہیں، تو یہ پاؤں کیوں نہیں مر گئے؟

آنکھوں کے سامنے شیریں آئی، رکی بھی آئی، رکی شاید شیریں کا ہی دوسرا روپ بن کر آئی۔۔۔

یاد آیا ـــ ایک دن رکی نے کہا تھا" وائی آر یو سو الائیٹ؟"

اور آج شیریں کہہ رہی تھی،" میں مردہ راہوں سے نہیں گھبرائی، اپنے زندہ پاؤں سے گھبرا رہی ہوں۔"

سوچتا ہوں، جس کے پاؤں میں، ہاتھوں میں، چھاتی میں، ماتھے میں، جو کچھ زندہ ہے، اس کا وہ کیا کرے۔۔۔۔

یہ سارے سوال، اسی زندہ حصے میں اگتے ہیں۔۔۔ ورنہ مردہ زمین میں کب کچھ اگتا ہے۔۔۔

اور جس میں جو کچھ بھی زندہ ہے، وہ آہستہ آہستہ سوالوں کا ایک جنگل بن جاتا ہے۔۔۔۔

کچھ پیسے سب کے پاس تھے، اب بھی ہیں، مگر اب وہ جنگل کے جانوروں کی طرح ہو گئے ہیں۔۔۔۔

بڑے معصوم، مگھیوں اور گماروں کی طرح بھی، اور بڑے زہریلے جنگل کے سانپوں کی طرح بھی، اور جنگل کے چیتوں کی طرح بھی۔۔۔

اور ہم ـــ اسی جنگل کے باسی، بھوک لگے تو، اپنے ہی مگھیوں اور گماروں کی طرح سپنوں کو بھون کر کھاتے ہیں، اور پھر ہم آپ ہی اندھیرے سویرے ان سپنوں کے

ہاتھوں ڈسے جاتے ہیں....

کبھی کبھی، کوئی 'آج'، اس طرح کا بھی ہوتا ہے، جب شیریں کا خط آتا ہے، اور پھر وہ 'آج'، کل میں بھی شامل ہو جاتا ہے، پرسوں میں بھی، چوتھے میں بھی، پانچویں میں بھی، چھٹے میں بھی... اور وہ چلتا رہتا ہے۔ روزانہ اگلے دن کو پاؤں میں روندتا، اس سے اگلے دن کی طرف چلتا رہتا ہے۔ اور تب تک چلتا رہتا ہے، اور جب تک بہت ہی تھک کر کہیں گر نہیں جاتا....

میں آج ونود کو پاگل خانے ملنے گیا تھا۔ شیریں سے خط والا 'آج'، بڑے دنوں سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میرے ساتھ نہیں، وقت کے کیلنڈر کے ساتھ (یہ کیلنڈر تاریخ بھی بدلتا تھا اور اس 'آج' سے منہ چھپا کر بدلتا تھا، اور ہر دفعہ تاریخ بدلتے وقت شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔ شاید اس 'آج' سے وہ بہت شرمندہ ہے...)

اور آج میں ونود کو پاگل خانے ملنے گیا تھا۔ ویسے 'ملنے کے لیے' لفظ نہیں کہنا چاہیے، 'دیکھنے کے لیے' ہی لفظ کافی ہے۔ کیونکہ ملنا پہچان سے ہوتا ہے، اور ونود اب کسی کو پہچانتا نہیں تھا۔

ونود ونود تھا، صرف میں اجنبی تھا....

وہ میرے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ مجھے، مجھے سمجھ کر نہیں، کوئی اجنبی سمجھ کر۔

اجنبی لفظ ونود کا دیا ہوا ہے، صرف مجھے نہیں، ہر ایک کو، کوئی بھی اس سے بات کرنا چاہے، وہ کتنی دیر اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے، پھر جب بھی کچھ کہتا ہے، کہتے وقت، اس فقرے کے ساتھ اجنبی لفظ جوڑ لیتا ہے — دیکھو اجنبی!

شاید دنیا کے سب لفظوں میں سے اس کو یہی لفظ ٹھیک معلوم ہوا ہے، اور اس نے ہر ایک کے لیے یہی ایک لفظ چن لیا ہے....

سوچتا ہوں —— بہت لفظ ہیں —— دوست بڑا پیارا لفظ تھا، ساتھی بڑا پیارا لفظ تھا، کامریڈ بڑا پیارا لفظ تھا، مگر یہ سارے لفظ انسان کے ساتھ کتنی دور چل سکے؟ انسان چلتا رہا، یہ سارے لفظ تھک گئے...

ونود شاید ٹھیک کہتا ہے —— یہ اجنبی لفظ سب سے زیادہ مضبوط ہے۔ جب سے انسانی نسل شروع ہوئی ہے، یہ لفظ اس کے ساتھ چلا ہے، اور آج تک چلا آ رہا ہے۔ معلوم نہیں اس لفظ کی جڑیں زمین میں کتنی گہری ہیں....

شاید انسان کی چھاتی میں سوالوں کا جو جنگل اگتا ہے۔ یہ لفظ اس جنگل کا سب سے پرانا درخت ہے....

ونود نے بھی کبھی خواب دیکھے تھے —— گھگھیوں اور گٹاروں جیسے سپنے، مگر سپنے صرف گھگھیوں اور گٹاروں کے نہیں ہوتے، وقت ملنے پر وہ سوالوں کے جنگلوں میں سانپ بھی بن جاتے ہیں، یادیں بھی بن جاتے ہیں۔ اسی کسی سانپ نے ونود کو ڈس لیا تھا، اور سانپ کے زہر سے تڑپتا ونود آج پاگل خانے میں ہے۔

سلاخوں کے پیچھے —— وہ ایک دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے باتیں کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ خاموشی دیوار کے ساتھ کھڑا رہا۔

مجھے اس کی وہ نمائش یاد آگئی، جس میں اس نے ورٹیلی ریلیٹک پینٹنگ، مریرادں کے ساتھ لگائی تھیں۔ 'پورٹریٹ آف اے ماڈرن'، دیوار پر لکھ کر، اس نے ایک بورے کو کیل کے ساتھ باندھا تھا۔ 'پورٹریٹ آف اے کیٹ'، لکھ کر ایک بلی کو، اور میں نے جب

گھبرا کر اس کو مذاق کیا تھا، وٹ اباؤٹ دی سیلف پورٹریٹ؟" تو اس نے ہنس کر کہا تھا، "وہ آخری آئیٹم ہو گی۔"

او خدایا! آج میں نے جب ونود کو سلاخوں کے پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا دیکھا تھا میری آنکھیں کانپ گئیں —— اور اس نے دیوار کے ساتھ اپنی زندہ مردہ کی تصویر لٹکالی تھی ... سیلف پورٹریٹ ....

"مگر ونود! تم نے تو کہا تھا، وہ آخری آئٹم ہو گی؟" میں پاگلوں کی طرح اس کو پوچھتا رہا۔ اور پوچھتا رہا، "تم نے کہا تھا کہ آخری آئٹم سے پہلے ایک بہت ضروری آئیٹم رہتی ہے۔ پورٹریٹ آف ایڈیٹ کرٹک —— پورٹریٹ آف این آئیڈیا سٹ ... وہ کہاں ہے؟"

ونود خاموش تھا، اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔ مگر میں اپنی یاد کو کیا کروں؟ اس بہت ضروری بات کا کیا کروں، جو کہیں نہیں پہنچ سکی؟

مگر یہ بھی ایک سوال ہے، سوالوں کے جنگل میں اگا ہوا سوال، اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔

مجھے کو جیسے تڑپتا ہوا دیکھ کر ونود کو شاید کچھ ہوا۔ اس کو کچھ یاد نہ آیا، مگر وہ بولنے لگ پڑا۔ کہنے لگا، "دیکھو اجنبی! میں نے ایک نظم لکھی ہے۔ تم سنو گے؟" اور پھر سامنے خلا میں دیکھ کر اس نے نظم سنائی:

سورج سونے کا کٹورا تھا

چاند، چاندی کا کٹورا

اور دھرتی، مٹی کا ایک سبز پھولدان ....

مگر ثقافت کو موت سے ایک بھیانک بیماری ہے
اور جو کچھ سامنے آئے، وہ پیک دان سمجھ لیتی ہے
اور سونے کے کٹورے میں وہ لہو تھوکتی
چاندی کے کٹورے میں وہ لہو تھوکتی
اور سبز پھولدان میں بھی وہ لہو تھوکتی....

کون نہیں رکتا تھا، اس لیئے ونود کے پاس سے جلدی سے مڑ آیا ہوں...
مڑ آیا نہیں، دوڑ آیا ہوں....

ایک اور اختتامیہ

ونود کے پاس سے آ گیا تھا، مگر اپنے آپ سے کہاں جاؤں ؟

کہیں نہیں جا سکتا، اس لیے کھڑا ہوں ....

زمین گھوم رہی ہے، میں کھڑا ہوں ...

سوالوں کا جنگل اور گھنا ہو گیا ہے — اتنا، کہ ساری واقف شکلیں اس جنگل میں گم ہو گئی ہیں ....

اور دور، جہاں کوئی سوال نہیں، وہاں کوئی جنگل نہیں، اور وہاں لوگ بستے ہیں اجنبی بستے ہیں ....

اجنبی کبھی اس طرف نہیں آتے، صرف وقت کبھی ادھر سے گزرتا ہے، تو جنگل کی طرف دیکھتا ہے، اس کو علم ہے کہ یہاں کچھ لوگ رہتے ہیں ...

میرے لیے وقت بھی اجنبی ہے، اس کو دیکھ کر کبھی میں کتے کی طرح بھونکتا ہوں

تو وہ زور سے چیختا ہے — شٹ اپ... سٹ ڈاؤن... شٹ اپ...

اور پھر وہ جلدی سے سوالوں کے اس جنگل سے دور چلا جاتا ہے...

اور میں کچھ دیر خواہ مخواہ بھونکتا رہتا ہوں....

اس کو، وقت کو شاید علم نہیں — کہ میں اور میرے جیسے سب بھونکنے والے یہ جان گئے، کہ اس نے، جو ہمارا حق ہم کو دینا تھا، ہم سے چھپا کر اپنی جیب میں ڈال لیا ہے....

ایک بے بسی ہے، اور ہم اس کی جیب میں سے وہ نہیں نکال سکتے، جو ہمارا اپنا ہے۔ اور ہم صرف بھونکتے ہیں۔...

مگر کتنی دیر؟

آج بہت زور سے ہنسنے کو دل کرتا ہے — اور ایک بڑی بھیانک بات بھی کہہ دینے کو دل کرتا ہے، کہ ہم ایک دن اچانک چپ کر جائیں گے، بالکل نہیں بھونکیں گے، مگر ہماری چپ بہت خطرناک ہو گی... اپنی آواز کو ہم اپنے حلق سے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں گے — آواز کو ایک قینچی بنا لیں گے... پھر... پھر ایک دن وقت کی جیب کتر لیں گے....

اس وقت، اب — سچ مچ کچھ بیت رہا ہے... بولا نہیں جاتا... سچ مچ میرے حلق میں ایک کھر کھراہٹ آ رہی ہے، اور ہاتھ میں ایک حرکت —